ماہنامہ
آدمیت
گوجرانوالہ

دسمبر 1998ء شعبان المعظم 1419ھ

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی صاحب

شیخ سلسلہ عالیہ توحیدیہ

قیمت ————— /12 روپے
سالانہ فنڈ ————— /120 روپے

شیخ سلسلہ سے رابطہ کیلئے:

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی کاشانہ توحیدیہ نوکھر ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-268424

ایڈیٹر سے رابطہ کیلئے: عبدالقیوم ہاشمی تھانہ روڈ گکھڑ ضلع گوجرانوالہ Ph:0431-260734

پبلشر عامر رشید انصاری نے المعراج پرنٹرز مچھلی منڈی لاہور سے چھپوا کر مرکز تعمیر ملت جی ٹی روڈ گوجرانوالہ سے شائع کیا

سلسلہ عالیہ توحیدیہ

اس شمارے میں

اداریہ

محترم قارئین ! آج انسانیت کا سب سے اہم اور گھمبیر مسئلہ خود "انسان" ہے۔ وہ اس لئے کہ انسان نے اپنی تمام توجہات کو متاع دنیا میں خرچ کر دیا ہے اور یہ بھول گیا کہ وہ خود کیا ہے؟ چنانچہ جب انسان نے وحی الٰہی سے منہ موڑ کر عقلی فلسفوں سے انسان کی اصلیت کا سراغ لگانا چاہا تو ٹھوکریں ہی کھاتا چلا گیا۔ کسی نے کہا کہ انسان بندر کی ترقی یافتہ شکل ہے کسی نے اسے Social Animal جانا حتیٰ کہ جتنی عقلی اختراعات تھیں اتنے ہی القابات سے انسان کو نوازا گیا۔ انسان نے جب خدا کی لامحدود ذات کو اپنی محدود عقل پہ جاننا چاہا تو خالق و مخلوق کی تمیز ہی ختم کر دی۔

انبیاء علیہم السلام نے وحی الٰہی کی روشنی میں غافل انسان کو اس کے اصل مقام سے آگاہ فرمایا۔ انہوں نے بتایا کہ اے انسان تو اس کائنات میں آزاد پیدا ہوا ہے تو نہ تو مظاہر کائنات کا تابع ہے اور نہ ہی کسی تقدیر کا بلکہ تجھے تمام کائنات کی تسخیر کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تو دراصل اس کائنات کے خالق و مالک یعنی اللہ تعالیٰ کا اس جہاں میں نائب ہے۔ تمام کائنات تیری خادم ہے جب کہ تو فقط اللہ کے احکامات کے تابع ہے۔

تقدیر کے پابند نباتات و جمادات
مومن فقط احکام الٰہی کا ہے پابند

لہٰذا نائب خدا کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ مالک کی مرضی کے مطابق اپنی زندگی گذارے، اسی کے احکامات پہ عمل کرے۔ اسی کی صفات کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کرے تبھی وہ نائب خدا ہونے کا حقدار ٹھہرے گا بصورت دیگر وہ سرکشی اور باغی ہو گا اور باغی کی سزا کون نہیں جانتا۔ انسان کا اصل کام تفسیر کائنات نہیں بلکہ تسخیرِ کائنات ہے۔ مطلب یہ کہ انسان کائنات کے حقائق و علوم سے حیرت زدہ ہو کر نہ بیٹھ جائے بلکہ کائنات کی صناعی دیکھ کر خالق کائنات کی عظمت کو پہچانے اور عشق کے راستہ سے اس سے ملاقات کر لے۔ انسان اسی طرح اپنی ذات (خودی) کو پہچان سکتا ہے اور جو خود کو نہ جان سکے وہ خدا کو کیسے جانے گا۔ بقول اقبالؒ

منکر حق نزد ملا کافر است
منکر خود نزد ما کافر است

(ملا کے نزدیک کافر وہ ہے جو حق کا منکر ہو اور میری نظر میں کافر وہ ہے جو اپنی ذات سے غافل اور منکر ہو)

حضرت علیؓ فرماتے ہیں من عرفہ نفسہ فقد عرف ربہ (جس نے اپنے آپ کو پہچانا اس نے

پروردگار کو پہچان لیا) اور اقبالؒ اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں

میرے دیدار کی ہے اک یہی شرط
کہ تو پنہاں نہ ہو اپنی نظر سے

حقائق کائنات ' عرفان خودی اور عرفان باری تعالیٰ کا حصول صرف اور صرف عشق الٰہی سے ممکن ہے۔ قرآن کریم عشق الٰہی کے حصول میں ہماری مدد کرتا ہے اور ہمیں اس کے اصل مقصد اور مصدر کے متعلق واضح ہدایات دیتا ہے ارشاد ہے

قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی

"ان سے فرمادیجئے کہ اگر تم (واقعی) اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو"

اس آیت سے واضح ہوا کہ عشق الٰہی کے حصول کا تقاضا صرف اور صرف ایک ہے اور وہ ہے اتباع رسول ﷺ۔ عشق کا براہ راست تعلق عقل کی بجائے عمل سے ہے اور عمل بھی ایسے جیسے محبوب خدا ﷺ نے کئے۔ اتباع کا مطلب یہ نہیں کہ آنحضور ﷺ کی سیرت پہ لمبی لمبی تقریریں جھاڑ دیں' مکالے لکھ ڈالے' نعتوں قوالیوں پہ روپیہ صرف کر دیا اور باواز بلند نعرہ بازی کر لی نہیں ایسا بالکل نہیں' اتباع کی درست حالت ہمیں صحابہ کرامؓ کی زندگی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ صحابہؓ کی آنحضرت ﷺ کی پیروی ہر ہر قول و عمل پہ تھی حتیٰ کہ اگر چلتے ہوئے کسی جگہ آنحضور ﷺ کا کیچڑ میں پاؤں پھسلا تو صحابہ کرامؓ نے اس جگہ دانستہ اپنے پاؤں کو پھسلایا۔

انسان کا مقصد حیات اللہ سے عشق و محبت اور اس کی رضا ہے۔ عشق الٰہی کی آگ ہی انسان کے باطن میں چھپی غیر اللہ پرستیوں کو خاکستر کر سکتی ہے۔ یہی نار عشق ہے جو بندے کو خدا سے ملا دیتی ہے حتیٰ کہ اسی آگ سے دوزخ کی آگ سرد پڑ جاتی ہے۔ حدیث مبارکہ ہے کہ مومن جب پل صراط سے گذرے گا تو جہنم اس کی خوشامد کرے گی کہ اے مومن جلدی سے گزر جا' کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری وجہ سے میری آگ ٹھنڈی ہو جائے۔

عشق کی تعمیر دراصل عقلی فلسفوں سے نہیں بلکہ عمل سے ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

والسلام

عبدالقیوم ہاشمی

درس قرآن

ڈاکٹر عبدالرشید وقار

اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (سورہ التکاثر)

۱۰

ترجمہ! غافل رکھا تمہیں زیادہ سے زیادہ مال جمع کرنے کی ہوس نے۔ یہاں تک کہ تم قبروں میں جا پہنچے۔

شان نزول:۔ قریش کے دو قبیلوں بنی عبد مناف اور بنی سہم کے درمیان اس بحث کا آغاز ہوا کہ دونوں میں ارفع و اعلیٰ کون ہے۔ چنانچہ دوران بحث ہر قبیلہ نے اپنے حریف پر فوقیت و برتری ثابت کرنے کے لئے اپنے اموال' جائیدادیں اور افراد کی کثرت کو گنوا کر پیش کیا۔ یہاں تک کہ فوت شدہ لوگوں کی قبروں کو بھی شمار کیا۔ رب ذوالجلال نے یہ آیات مقدسہ نازل فرما کر انکی احمقانہ روش اور لاحاصل معرکہ آرائی کا تذکرہ فرمایا۔

انسانی دماغ میں ایک سودا ہے کہ ہر وقت دنیا سمیٹتا رہے۔ دور حاضر میں یہ جنون مردوں کی نسبت عورتوں میں زیادہ شدت کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ یہ بھی لے لوں وہ بھی لے لوں۔ غرضیکہ ساری دنیا ہی سمیٹ لوں۔ ایسے لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ تم لوگ اپنے انجام سے آنکھیں بند کئے ہوئے دولت و ثروت کے انبار لگانے میں مصروف ہو۔ اپنے مستقبل کی تمہیں ذرہ برابر پرواہ نہیں۔ آنے والی زندگی کا تصور ہی ختم کر دیا گیا ہے۔ یاد رکھو آنے والی زندگی لامتناہی زندگی ہے۔ موت آنے پر تمہاری آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت تم پچھتاؤ گے۔ لیکن وقت تمہارے ہاتھ سے نکل چکا ہو گا۔ ساری مستور حقیقتیں تمہارے سامنے عیاں ہو جائیں گی۔ تمہارا اس وقت پچھتانا بے سود ہو گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ مرنے کے بعد تمہیں شرمندگی نہ اٹھانی پڑے تو اب بھی وقت ہے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ آنکھیں کھولو۔ دنیا کی فانی لذتیں تمہاری آئندہ زندگی پر اثر انداز ہو نگی۔ فانی لذتوں کے پیچھے بھاگنے والو ہوش میں آؤ۔ دولت و ثروت پر فخر کرنے کی بجائے مالک حقیقی کی طرف رجوع کرو۔ اللہ کی نعمتیں حاصل کرکے اور ان سے فائدہ اٹھا کر سرکشی اختیار نہ

کرو۔ پروردگار عالم کے خلاف علم بغاوت بلند نہ کرو۔ بلکہ زندگی کو شکر گزار بندوں کی طرح گزارو۔ روز قیامت داور محشر کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہو تو اس کے ہر فرمان عالی شان کو دل و جان سے مانو اس کی یاد کو دل میں بسالو۔ تمہیں خدا کی ساری نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔ ہر نعمت سے فائدہ اٹھانے پر جواب دہ ہو۔

تمہارا ہر دن، تمہاری ہر رات اس کوشش میں بسر ہو رہی ہے کہ معیار زندگی بلند ہو جائے معیار انسانیت خواہ کتنا ہی پست ہو جائے تمہیں اس کی کوئی فکر نہیں۔ مال و دولت اکٹھا کرنے کی دھن نے تمہیں دیوانہ بنا رکھا ہے۔ تمہیں نہ خدا یاد رہا نہ موت یاد رہی اور نہ قبر کا تنگ و تاریک گڑھا جس میں تمہیں ایک دن فروکش ہونا ہے۔ بس فکر ہے تو دولت کی ہی ہے۔ جس کو حاصل کرنے کے لئے چاہے خیانت کرنی پڑے۔ ملک سے غداری کرنی پڑے۔ یا فرائض سے بددیانتی، اپنی عزت و آبرو داؤ پر لگ جائے یا قوم فروشی کرنی پڑے بس اسی کے لئے مرے جارہے ہو۔

یاد رکھو! سب کچھ سمیٹنے کی خواہش کے غلام ایک دن خود موت کے ہاتھوں سمیٹ لئے جائیں گے۔ یہ دنیا عبرت کی جگہ ہے۔ دل لگانے کا مقام نہیں۔ دل لگانا ہے تو اپنے پروردگار سے لگاؤ، جو دنیا اور آخرت میں تمہیں کامیابی و کامرانی سے ہمکنار کرنے والا ہے۔

خواہشات کی کثرت انسان کو کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ انسان کو خود غرض اور بے حس بنا دیتی ہے خالق سے دور کر کے احسن تقویم کے مقام سے ذلت کی پستیوں میں پھینک دیتی ہے۔ خدا کی یاد سے غافل ہو کر چوپایوں سے بدتر درجہ پر لے آتی ہے۔ جب موت کے سائے سر پر منڈلانے لگتے ہیں قبر منہ پھاڑے دکھائی دیتی ہے تو اس وقت اسے اپنی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔ خواہش کے غلام نہ صرف دنیا سمیٹتے ہیں بلکہ اس کی کثرت پر اتراتے ہیں قدم قدم پر دوسروں کی تحقیر کرتے ہیں۔ ان کے رہنے سہنے چلنے پھرنے غرض ہر ادا سے تکبر اور نخوت ٹپکتی ہے۔

قیمتی کپڑوں لمبی لمبی کاروں اونچے اونچے محلوں اور دولت کی فراوانی کو معیار انسانیت ٹھہراتے ہیں۔ یہ محض خود فریبی ہے۔ کوئی چیز ان کے ساتھ نہ جائیگی۔ صرف اعمال ساتھ جائیں گے اور اعمال کے متعلق خدا ہی بہتر جانتا ہے کس کے مقبول ہونگے۔

مشاہدہ بتاتا ہے کہ کثرت مال پر فخر کرنے والے لوگ نہ صرف بدمزاج بلکہ نازک مزاج بھی ہوتے ہیں بات بات پر بگڑتے نظر آتے ہیں اپنے سے غریب اور کمتر لوگوں سے ملنا اپنی توہین سمجھتے ہیں اگر میل جول رکھتے ہیں تو ان لوگوں کے ساتھ جن کی زندگیاں عبرت بننے والی ہیں۔ جب مرتے ہیں تو پسماندگان وراثت کی تقسیم پر یوں لڑتے مرتے ہیں جیسے ایک عرصہ سے اس کی موت کا انتظار تھا۔ یہ روح فرسا مناظر آئے دن آنکھوں کے سامنے آتے ہیں مگر پھر بھی کوئی نصیحت حاصل نہیں کرتا۔ آنکھیں نہیں کھلتیں۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ دنیا اور آخرت میں کامیابی حاصل کریں تو اپنے آپ کو بدلنا ہوگا۔ اپنی زندگیوں میں انقلاب پیدا کرنا ہوگا۔ دوسروں کے لئے ایثار سے کام لینا ہوگا۔ زندگی کو دوسروں کے لئے وقف کرنا ہوگا۔

شمع کی مانند جئیں بزم گہ عالم میں
خود جلیں اور دیدہ اغیار کو بینا کر دیں

انسان کبھی دولت سے پر نہیں ہو سکتا۔ نبی آخر الزماں ﷺ نے فرمایا اگر آدم کو سونے کی دو وادیاں دے دی جائیں تو تیسری کی خواہش کرے گا۔ اس کا منہ تو صرف قبر کی مٹی بھر سکتی ہے۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں دے رکھی ہیں۔ بہت ساری تو ایسی ہیں جن کی ہم کو خبر تک نہیں ہے قادر مطلق خود فرماتے ہیں وان تعدو نعمت اللہ لا تحصوھا اگر تم میری نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو نہ کر سکو گے۔ حدیث نبوی ﷺ ہے کہ کوئی آدمی محشر میں اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا۔ جب تک پانچ سوالوں کا جواب اس سے نہ لیا جائے۔

(1)۔ اپنی عمر کو کن کاموں میں صرف کیا۔

(2)۔ اپنی شباب کی قوت کو کن کاموں میں خرچ کیا۔

(3)۔ مال کو جائز یا ناجائز کس طریقہ سے حاصل کیا۔

(4)۔ مال کو خرچ کہاں کیا۔

(5)۔ جو علم رکھتا تھا اس پر عمل کتنا کیا۔

خدائے رحمٰن ہمیں مرنے سے پہلے آخرت کی تیاری کی فکر و توفیق عطا فرمائے۔

درس حدیث

رانا محمد اعجاز

عن جابر قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم افضل الذکر لا اله الا الله (بخاری)

ترجمہ! حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الہ الا اللہ ہے

گذشتہ شمارے میں ذکر الٰہی کی فضیلت اور اہمیت کو رسول کریم ﷺ کی احادیث کی روشنی میں بیان کیا گیا تھا۔ اسی سلسلے کو آگے بڑھاتے ہوئے ہم نفی اثبات یعنی لا الہ الا اللہ کی فضیلت اور خصوصیت کو مختصرا واضح کریں گے جیسا کہ حدیث مبارکہ سے واضح ہے کہ رسول کریم ﷺ نے نفی اثبات کے ذکر کو افضل الذکر قرار دیا ہے۔

اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں کیونکہ جب بندہ یہ کہتا ہے کہ معبود برحق صرف اللہ ہے اس کے سوا کوئی نہیں تو اس ضمن میں یہ بات خود بخود آجاتی ہے کہ وہ ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور تمام صفات کمال کا جامع ہے اور عظمت و کبریائی میں وہ برتر ہے کیونکہ جو لاشریک معبود ہو اس میں یہ سب باتیں ہونا لازمی ہیں اس لئے جس نے لا الہ الا اللہ کہا گویا اس نے سب کچھ کہہ دیا۔ لا الہ الا اللہ کلمہ ایمان ہے اور اسی لئے سب پیغمبروں کی تعلیم کا پہلا سبق ہے اور یہی وہ کلمہ حق ہے جو باطن کی تطہیر اور قلب کو ہر طرف سے موڑ کر خدا تعالیٰ سے وابستہ کرتا ہے اسی لئے رسول کریم ﷺ نے ایمانی کیفیت کو قلب میں تازہ کرنے اور روحانی منازل طے کرنے کے لئے اس کلمہ حق کو کثرت سے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ حجتہ البالغہ میں فرماتے ہیں

"لا الہ الا اللہ میں بہت سے خواص ہیں پہلی خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک جلی کو ختم کر دیتا

ہے دوسری خاصیت یہ ہے کہ وہ شرک خفی کو بھی ختم کرتا ہے اور تیسری خاصیت یہ ہے کہ یہ بندے اور معرفت الٰہی کے درمیان حجابات کو سوخت کرکے حصول معرفت و قرب کا ذریعہ بن جاتا ہے"

کلمہ حق لا الہ الا اللہ کی ایک خاص فضیلت اور خصوصیت یہ بھی ہے کہ اگر اخلاص سے اس کلمے کا ورد کیا جائے اور خدا تعالیٰ سے دور کرنے والے کبیرہ گناہوں سے بچا جائے تو یہ کلمہ براہ راست عرش الٰہی تک پہنچتا ہے اور خدا تعالیٰ بندے کے درجات بلند کرتا ہے اور خاص مقبولیت سے نوازتا ہے۔

حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے نبی موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالیٰ کے حضور عرض کیا کہ اے میرے محبوب مجھ کو ایسا کلمہ بتا دے جس کے ذریعے میں تیرا ذکر کروں تو خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ لا الہ الا اللہ کا ذکر کیا کرو انہوں نے فرمایا کہ اے محبوب یہ کلمہ تیرے سارے بندے ہی کہتے ہیں میں تو وہ کلمہ چاہتا ہوں جو آپ خصوصی طور پر مجھے بتائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں ایک پلڑے میں رکھ دی جائیں اور لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں تو اس کلمہ حق کا وزن ان سب سے زیادہ ہوگا۔

اس حدیث مبارکہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انبیاء و مرسلین کے لئے بھی کوئی کلمہ لا الہ الا اللہ سے زیادہ قیمتی اور بابرکت نہیں ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس نے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ یہ نعمت عظمیٰ ہر عامی کو پہنچا دی سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے بنیادی اذکار میں لا الہ الا اللہ کی مشق شامل ہے جسے نفی اثبات کے طریقہ سے کیا جاتا ہے اور ہر سالک کو اس کی تلقین کی جاتی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس کلمہ کو کثرت سے پڑھنے سے ہی بندہ راہ سلوک کی منازل آسانی سے طے کر سکتا ہے اور خدا تعالیٰ کا خاص قرب حاصل کر سکتا ہے۔

ابن آدم کے نام

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

اے ابن آدم! تو اپنی زندگی کتنی بے فکری سے گزار رہا ہے۔ یہ وقت تو بہت بڑی دولت ہے لیکن تو اسے انتہائی بے دردی کے ساتھ لوٹائے چلا جا رہا ہے۔ تجھے یہ تو معلوم ہی نہیں کہ تو کون ہے؟ تجھے کس نے پیدا کیا اور کس لئے پیدا کیا؟ یہ دنیا کس لئے بنائی گئی ہے اور تجھے یہاں کیوں بھیجا گیا ہے؟ حیات و ممات کی حقیقت کیا ہے اور موت کے بعد کیا معاملہ پیش آنے والا ہے؟ لیکن پھر بھی تو بغیر سوچے سمجھے دوڑے چلا جا رہا ہے۔ اگر کسی مسافر سے پوچھا جائے کہ تو کون ہے کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے' کس شے کی جستجو ہے' کس سے ملنا ہے اور وہ ہر سوال کے جواب میں یہی کہے کہ مجھے معلوم نہیں تو کیا تم اس کی عقل پر شک نہیں کرو گے؟

ذرا اپنی حالت پر غور کر لو۔ کیا یہ مثال تم پر صادق نہیں آتی۔ پھر یہ بات بھی تمہارے قلب و ذہن میں رہتی ہے کہ تم اشرف المخلوقات ہو۔ بلا شک و شبہ تمہاری تخلیق احسن تقویم یعنی بہترین صلاحیتوں اور برتر شعور کے ساتھ کی گئی ہے اور اسی خصوصیت کی وجہ سے تمہیں صاحب ارادہ و اختیار بنایا گیا۔ خالق کائنات نے تمہیں دوسری مخلوقات سے اشرف پیدا کیا ہے تو یقیناً" تمہارے ذمے کوئی ایسا اعلیٰ اور منفرد کام بھی لگایا ہو گا جو کسی دوسری مخلوق کے بس کا کام نہیں تھا۔ لیکن اتنے بڑے اعزاز کا تمہیں احساس ہی نہیں ہے۔ تم تو کولہو کے بیل کی طرح بھوک پیاس' گرمی سردی اور جنسی جبلتوں کی تسکین کے چکر میں مگن صبح و شام کرتے ہوئے عمر تمام کر رہے ہو' تیرا یہ انداز فکر اور طرز حیات دوسرے حیوانوں سے کسی طرح بھی مختلف نہیں ہے۔ اتنی منفرد صلاحیتوں کا مالک ہوتے ہوئے حیوانی سطح پر آ گرنا تو شرف انسانیت کی تذلیل اور قابل تعزیر جرم ہے۔ تیرے بہترین حواس اور دل و دماغ اگر نفسانی خواہشات اور مادی لذات سے ماورا کچھ سوچ ہی نہ سکیں اور چاروں طرف بکھرے ہوئے حسن یار کے جلوؤں سے تو محروم رہ جائے تو یہ جینا کس کام کا۔ تیرے ازلی دشمن شیطان نے تجھے اللہ کی یاد سے یکسر غافل کر دیا ہے۔ اس نے تجھے اپنے جال میں اس طرح جکڑ لیا ہے کہ تیری سوچیں اور صلاحیتیں تیرے پیٹ کی غلام بن کر رہ گئی ہیں۔ تیری حالت پر افسوس

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تجھے روٹی اس لئے دی تھی کہ تو اس کے استعمال سے قوت پرواز حاصل کر کے اللہ کی محبت کی منازل طے کرے لیکن تیری کج فہمی، کوتاہ نظری اور کم ہمتی کی وجہ سے روٹی تجھے کھا گئی ہے۔ تو حریم کبریا کی طرف پرواز کرنے والے طائر لاہوتی کی بجائے مٹی کا کیڑا بن کر رہ گیا ہے۔

یہ حقیقت بڑی آسان فہم ہے کہ جو شے جس مقصد کے لئے بنائی جاتی ہے اس کو پورا کرنے اور کرتے رہنے ہی سے اس کی قدر و قیمت قائم رہتی ہے۔ اگر وہ شے مطلوبہ کام سرانجام دینے کے قابل نہ رہے تو اسے کاٹھ کباڑ میں پھینک کر کوڑیوں کے دام بیچ دیا جاتا ہے۔ پھلدار درخت جو پھل نہیں دیتے یا دینا بند کر دیتے ہیں انہیں کاٹ کر ایندھن کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ دھات اور نائلون وغیرہ کی بنی ہوئی اشیاء کو توڑ پھوڑ کر ڈھلائی والی بھٹیوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اگر تو نے اپنی تخلیق کے مقصد کو پورا نہ کیا تو تیرے ساتھ بھی ایسا ہی برتاؤ کیا جائے گا۔

تمہارے خالق نے عالم ارواح میں ہی تم سے یہ عہد لے لیا کہ تم مجھے ہی اپنا رب مان کر زندگی میرے عطا کردہ آئین حیات کے تحت بسر کرو گے۔ اسطرح تم دنیا میں بھی مسرت اور مطمئن زندگی گذار سکو گے اور آخرت میں بھی میری رضا حاصل کر کے سرخرو ہو جاؤ گے۔ اللہ رحیم و کریم نے اپنی خصوصی رحمت سے انبیاء کی بعثت کا انتظام فرمایا تاکہ تمہیں تمہاری تخلیق کے مقصد سے آگاہ کر کے اللہ تعالیٰ کی بندگی کے صراط مستقیم پر چلنے اور اس کی محبت کی تکمیل کرنے کے لئے مطلوبہ ہدایت فراہم کریں تاکہ تم دنیا کی بھول بھلیوں، نفس کی خواہشات اور شیطان کے مکرو فریب میں پھنس کر نہ رہ جاؤ۔ لیکن افسوس ہے کہ انسانیت کے ان مخلص محسنوں اور حقیقی خادموں کا ہر دور میں ٹھٹھا اڑایا گیا۔ انہیں ستایا گیا بلکہ بعض کو تو موت کے گھاٹ ہی اتار دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ کے ان خاص بندوں نے اولاد آدم کو یہ دعوت دی کہ اللہ کو اپنا رب اور الٰہ مان کر اس کی بندگی اور ہماری اطاعت کرو۔ انہوں نے اہل ایمان کو جنت کی بشارت دی اور اس میں ملنے والی نعمتوں سے آگاہ کیا اور ابدی حقائق کو جھٹلا کر نافرمانی کی راہ اپنانے والوں کو جہنم کی سزا سے ڈرایا۔ لیکن تھوڑے لوگوں نے ہی اللہ کی دعوت کو قبول کر کے انبیاء کے اتباع کی سعادت حاصل کی۔ اکثر لوگوں نے تکبر اور میثاق ازل کو فراموش کر کے اللہ اور یوم آخرت کے وجود سے انکار کر دیا اور "مولا مرضی" کی بجائے اپنی خواہشات اور "من مرضی" کی زندگی گذارنے کو ترجیح دی۔ اے اولاد آدم! آج تمہاری اکثریت اسی روش پر کاربند ہے۔ حالانکہ اگر تم اپنے حواس کو صحیح طور پر استعمال کرو تو

اس کائنات کا ذرہ ذرہ اور پتا پتا خالق کائنات کے وجود پر گواہی دیتا ہوا محسوس ہو گا۔ تم اپنے وجود پر ہی غور کر لو کہ کس طرح تمہاری تخلیق پانی کی ایک بوند سے شروع کی گئی اور رحم مادر میں خلق کے بعد خلق کے کئی مراحل کے بعد تمہارا ناک نقشہ درست کیا گیا۔ جسم کے اندرونی و بیرونی اعضاء کا حیرت انگیز نظام وجود میں لایا گیا اور انہیں ایک دوسرے کے ساتھ منسلک کیا گیا۔ کیا یہ سب کچھ بغیر کسی بنانے والے کے خود بخود بن گیا۔ تمہارے ماں باپ کو تو خبر بھی نہ تھی کہ رحم کے اندھیروں کے اندر کیا کچھ ہو رہا ہے۔ تم اس وقت کیا تھے اور کہاں تھے۔ اب تو تمہیں باتیں بنانا آ گئی ہیں اس لئے اپنی تخلیق کی کیفیات کو فراموش کر کے اللہ کے وجود کے بارے میں بحث کرتے ہو۔ تمہارے رب نے سورج، چاند اور دن رات کو تمہاری خدمت میں لگا رکھا ہے۔ تمہاری غذا کے لئے ہزارہا اقسام کے پھل اور غلے پیدا فرمائے۔ تمہارے استعمال کے لئے جانور پیدا کر رکھے ہیں۔ جن کا دودھ پیتے، گوشت کھاتے اور ان کے بالوں، اون، ہڈیوں اور چمڑوں سے قسم قسم کے فائدے اٹھاتے ہو۔ اس نے تمہارے لئے آسمان سے پانی برسا کر ایک خاص مقدار میں اس کا ذخیرہ کر دیا ہے اور بارش کے ذریعے اس کی تقسیم کا حیرت انگیز نظام قائم کر رکھا ہے۔ پانی جیسی عظیم نعمت جس پر حیات کا دارومدار ہے کا وجود ابھی تک کسی دوسرے سیارے میں دریافت نہیں ہو سکا۔ تمہارے رب نے تمہیں عزت و اکرام سے نوازتے ہوئے تمہاری سواری کے لئے گدھے، گھوڑے، اونٹ، خچر، کشتیاں، کاریں، بسیں، ریل گاڑیاں، ہوائی جہاز اور خلائی راکٹ بنا دئے تا کہ تم اپنے مہربان آقا کی نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا کرو اور احسان شناس بندے بن کر اس کے حضور سربسجود ہو جاؤ۔ تم نے کبھی آگ اور تمہاری زندگی میں جو اس کی اہمیت ہے اس پر غور کیا ہے۔ گھر کی تعمیر میں اینٹیں بننے، کچن میں کھانا پکنے، بجلی کے پاور ہاؤس چلنے، واٹر سپلائی کے پمپوں کے چلنے، سکوٹروں، کاروں اور ریل گاڑیوں کے دوڑنے ہوائی اور خلائی جہازوں کے اڑنے اور بے شمار صنعتی فیکٹریوں کے چلنے کا دارومدار آگ پر ہی ہے۔ اس کے لئے ایندھن خواہ لکڑی اور کوئلہ کی صورت میں ہو یا گیس اور تیل کی صورت میں ہو سب کا منبع درخت ہی ہیں جن کے پیدا کرنے میں تمہارا کوئی ہاتھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں نے تمہیں بار بار زمین میں پھیلی ہوئی خالق کائنات کی ان بے شمار آیات پر غور و تدبر کرنے کی ترغیب دی اور خود اپنے نفسوں کے اندر جھانک کر اور من میں غوطہ زن ہو کر حقائق حیات معلوم کرنے کی دعوت دی تا کہ تم اپنے رب کی معرفت حاصل کر کے حقیقی فوز و فلاح کا راز پا

ؤ اور تمہارے اندر سے سعادتِ ازلی کے سوتے پھوٹ پڑیں۔ اللہ تعالیٰ نے روزِ الست تمہارے
ل میں جو اپنی محبت کا بیج بو دیا تھا وہ پھوٹ نکلے اور چنبے کی یہ کلی پھولوں سے لد جائے اور خوشبو
ہارے انگ انگ میں سما جائے اور تمہاری روح وجد میں آ جائے۔ تمہارے ارد گرد کتنے ہی خوش
صیب انسان موجود ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اپنا آقا اور حکمران تسلیم کرکے عہد الست کی تجدید کر
ی ہے۔ وہ حزب اللہ میں داخل ہو کر اللہ کے دیئے ہوئے نظام حیات کے مطابق مطمئن زندگی بسر کر
رہے ہیں اور ہر وقت اس کے فضل اور اس کی رضا کی جستجو میں لگے رہتے ہیں۔ لیکن تو اپنی
آنکھوں، کانوں اور اپنے دل و دماغ کی نعمتوں کو حقیقی مقصد کے لئے استعمال کرنے میں ناکام ہو گیا
اور اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل نہ کر سکا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تو حیوانوں کی مانند بلکہ
ان سے بھی گیا گذرا اور گمراہ قرار پایا کیونکہ حیوانات تو اپنے کمتر عقل و شعور کے باوصف اپنے خالق
کو پہچانتے، اس کی تسبیح بیان کرتے اور اس کے مقرر کردہ وظیفہ حیات کے عین مطابق زندگی بسر
کرتے ہیں۔ تجھے تو اللہ تعالیٰ نے بہترین صلاحیتوں اور شعور سے نواز کر صاحب اختیار بنایا۔ یہ ایک
منفرد اعزاز تھا جو صرف تجھے عطا ہوا اور یہ تمہاری صلاحیتوں اور کردار کا امتحان تھا کہ تو ذمہ داری کا
ثبوت دیتے ہوئے اس اختیار کو مثبت طریقہ سے استعمال کرکے اپنے خالق کی رضا حاصل کرتا ہے یا
اس کے احکام سے سرکشی اور بغاوت کرکے سزا کا مستحق ٹھہرتا ہے۔

اے ابن آدم! تیری خصوصی حیثیت کی وجہ سے تیرے لئے جبر روا نہیں رکھا گیا بلکہ دعوت
کا طریقہ جاری کیا گیا تاکہ تیری ظاہری بصارت، باطنی بصیرت اور انتخاب کی صلاحیت کا امتحان ہو
جائے۔ پوری کائنات اللہ کی الوہیت کے سامنے سر بسجود ہے کیا تو محض اس لئے اپنے خالق اور
رحیم و کریم آقا کی نافرمانی کر رہا ہے کہ نباتات، جمادات کی طرح تجھے جبری تقدیر میں نہیں جکڑا گیا؟
کیا تو نے صرف اس لئے جرم و گناہ کی زندگی اپنا رکھی ہے کہ تجھے قانون شکنی کی صلاحیت حاصل
ہے۔ یہ تو اختیار کا نہایت ہی گھٹیا اور ناروا استعمال ہے۔ آزادی تو بہت بھاری امانت اور عظیم ذمہ
داری کا نام ہے۔ اے انسان اگر تو انبیاء کی دعوت قبول کرکے اپنے محبوب حقیقی اور جان و جہان
کے مالک پر ایمان لے آئے اور اس کا بندہ بن کر زندگی بسر کرے تو وہ تمہارا مولا و مددگار اور حامی و
ناصر بن کر تمہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جائے گا۔ اس کے فرشتے تم پر صلوٰۃ و
سلام بھیجنے لگیں گے۔ اس کی رحمت سے تیرا سینہ روشن، دماغ منور اور دل مطمئن ہو جائے گا۔

لیکن اگر تو اپنے خالق کائنات کی آیات کو غور سے دیکھنے کی زحمت ہی نہ کرے اور اندھا بنتا پ
کرے تو پھر تیرا رب تیری آنکھوں پر پردہ ڈال دیگا۔ جب تم اپنے کانوں سے حق کی آواز سن
گوارا نہ کرو گے تو پھر ان پر بھی مہر لگا دی جائے گی۔ اللہ دنیا میں بھی تمہاری سماعت اور بصارت ک
صلاحیت سلب کر سکتا ہے لیکن قیامت کے دن ایسا ضرور ہو گا کہ تجھے اندھا، گونگا اور بہرہ اٹھا
جائے گا اور تو چوپایوں کی مانند منہ کے بل چلے گا۔ تم پریشان ہو کر اللہ سے فریاد کرو گے کہ میں تو د
میں بھلا چنگا تھا تو تجھے جواب دیا جائے گا کہ تو نے دنیا میں ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور وہاں جا کر ہم
بھول ہی گئے۔ آج ہماری رحمت نے تجھے فراموش کر دیا اور یہ نعمتیں تجھ سے چھین لی گئیں۔
تمہارے گلے میں طوق ڈال کر تمہیں زنجیروں میں جکڑ کر جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ تمہاری اپنی ب
اعمالیوں کا صلہ ہو گا۔ اس دن اللہ کے نیک بندے عرش الہٰی کے سایہ تلے مسرور و شادمان ہونگے۔
ان کے چہرے ترو تازہ اور اللہ کی عبادت سے چمکتے ہوں گے۔ ان کی روحوں سے اللہ کی محبت کا نور
پھوٹ پھوٹ کر ان کے آگے آگے چلے گا۔ جنت کے فرشتے انہیں کامیاب زندگی گذارنے پر
مبارک باد کہیں گے اور جنت میں خوش آمدید کہیں گے جہاں ان کو ایسی نعمتیں ملیں گی جو انسان کے
وہم و گمان میں بھی نہیں آ سکتیں۔ سب سے بڑھ کر انہیں جو نعمت عطا ہو گی وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور
اس کا دیدار ہو گا اور وہ اس کی حمد و ثنا میں مشغول رہیں گے۔

اے ابن آدم! اگر تو دنیا کی لذات میں ہی کھو کر رہ گیا اور اپنی ساری صلاحیتیں انہی کے
حصول میں صرف کر ڈالیں تو آنے والی زندگی میں تجھے بڑی شرمندگی اٹھانا پڑے گی۔ تو اپنے آقا سے
نظریں نہ ملا سکے گا بلکہ اللہ تیری طرف دیکھے گا بھی نہیں۔ تو سر جھکائے ہوئے التجا کرے گا کہ مجھے
دوبارہ دنیا میں جانے کا موقع دیا جائے تو میں صالح زندگی بسر کرونگا لیکن وہاں تیری شنوائی نہ ہو گی۔ پھر
تو پچھتائے گا کہ کاش میں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔ اس دن تجھے
اپنے یہ لنگوٹیے یار بھی بہت یاد آئیں گے جو آج تمہیں کھاؤ پیو اور موج اڑاؤ کی تلقین کرتے ہیں
اور کبھی بھولے سے بھی اللہ اور آخرت کی بات نہیں کرتے۔ اس دن تو دانتوں سے اپنے ہونٹ
کاٹے گا کہ کاش میں نے ان لوگوں کو اپنا دوست نہ بنایا ہوتا۔ یہ اپنے ساتھ مجھے بھی لے ڈوبے۔
اس دن دنیا کے گرمجوش دوست تیرے دشمن بن جائیں گے۔ وہاں صرف اہل ایمان کی دوستی قائم
رہے گی کیونکہ ان کا باہمی تعلق دنیوی اغراض کے لئے نہیں بلکہ اللہ کی خاطر تھا۔ انسان پر سب

سے زیادہ اور ان گنت احسان اللہ تعالیٰ کے ہیں جو انسان اللہ کا وفادار نہیں بنتا وہ بھلا اپنے جیسے انسانوں سے کیسے وفا کریگا۔ اکٹھے مل کر وارداتیں کرنے والے مجرموں کے گروہ جب پکڑے جاتے ہیں تو دنیا کی عدالتوں میں ہی ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں اور خود وعدہ معاف گواہ بن کر اپنے جانی دوستوں کو پھانسی کے پھندوں پر لٹکوا دیتے ہیں۔ اللہ کی عدالت میں تو انسان اپنے سگے بھائیوں سے اپنے ماں باپ سے' اپنی بیوی اور اولاد سے دور بھاگے گا کہ ان کی خطاؤں میں کہیں میں بھی گرفت میں نہ آ جاؤں۔ لیکن اے غافل انسان تو اس دنیا میں انہی رشتوں کی خاطر شرف انسانیت کو نیلام کرکے اپنے خالق کی کیسی کیسی نافرمانیاں کرکے اس کی ناراضگی مول لیتا ہے۔ ان کے مستقبل کی بہتری کے لئے تو گناہ پر گناہ کئے چلا جاتا اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرلیتا ہے۔ تیرے اس جمع کئے ہوئے مال سے موج یہ اڑائیں گے اور سزا تو بھگتے گا۔ جب تو مرے گا تو تمہارے وہم و گمان سے گھڑے ہوئے یہ بت تمہاری دولت سے گلچھڑے اڑانے کے شوق سے کہیں گے کہ اسے جلدی جلدی دفن کرو۔ کئی دولت کے دیوانے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے جلد حاصل کرنے کی غرض سے اپنے ماں باپ کے قتل سے بھی نہیں چوکتے۔

اے انسان! اللہ کے ہاں پہنچ کر سارے پردے اٹھ جائیں گے اور مال و دولت اور رشتہ و پیوند کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اس وقت تو اپنی من مرضی کی گذاری ہوئی آزاد زندگی پر سخت پشیمان ہو گا اور چاہے گا کہ مال و اولاد اور دنیا کا سب کچھ فدیہ میں دے کر کسی طرح میری جان چھوٹ جائے لیکن وہاں سے واپسی ناممکن ہو گی اور تجھے کہا جائے گا کہ دنیا کی زندگی میں تجھے کافی وقت دیا گیا تھا اگر تمہیں سمجھنا ہوتا تو سمجھ جاتا۔ اب جزا و سزا کا دن آن پہنچا اب ہر کوئی اپنے اعمال کا بدلہ پائے گا۔ جن اللہ کے بندوں کو تو اپنے سے کمتر سمجھ کر ان کو خشک ملا' وہمی اور جنونی کے نام دے کر ان کی ہنسی اڑاتا ہے انہیں اللہ کے ہاں اس دن عزت دی جائے گی اور مسکین مومنین سب سے پہلے جنت میں داخل ہونگے اس دن تمہاری کج فہمی' کم عقلی اور بدبختی کی ہنسی اڑائی جائے گی۔

اے ابن آدم! تو اپنی خام عقلی کی بنا پر حیات ارضی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھا ہے حالانکہ یہ تو تیری خودی یعنی جوہر انسانیت کے لئے ایک تربیت گاہ ہے تاکہ تو اللہ کی پیدا کی گئی چیزوں اور قوتوں کو تسخیر کرکے اس کی معرفت اور قرب و رضا میں کمال حاصل کر سکے۔ زندگانی کی مثال تو سیپ کی طرح ہے جس میں انسانی خودی ابر نیساں کے قطرے کی طرح اس لئے داخل ہوتی ہے کہ اس میں

کچھ عرصہ قیام کر کے موتی بن جائے۔ لیکن تو اس تربیت گاہ کی دلفریبیوں کی وجہ سے مال داولاد کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے حقیقی مالک و محبوب اور اصلی وطن کو ہی بھول گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب میں تنبیہہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو اور اس دن کا خوف کرو کہ نہ تو باپ اپنے بیٹے کے کچھ کام آئے اور نہ بیٹا اپنے باپ کے کچھ کام آسکے۔ بے شک اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ پس دنیا کی زندگی تم کو دھوکے میں نہ ڈال دے اور نہ فریب دینے والا شیطان تمہیں اللہ کے بارے میں کسی طرح کا فریب دے" (لقمان۔33)

اے ابن آدم! اللہ تعالیٰ اور حیات آخرت پر ایمان ہی تیری حقیقی کامیابی کی بنیاد ہے۔ تو اللہ کی ہستی سے کیونکر انکار کرتا ہے۔ آج سے پچاس یا سو برس پہلے تو تیرا کوئی نام ونشان بھی نہ تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور تیری بندگی اور اطاعت صرف اسی کے لئے ہونی چاہئے۔ اللہ ہی تمہیں مارے گا اور وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ دوبارہ زندہ ہونے میں تجھے تعجب کیوں ہوتا ہے۔ جب تو کچھ نہ تھا تو اس نے تجھے وجود عطا فرمایا تو کیا وہ ہستی اب تیری کھوکھری ہڈیوں اور مٹی میں تبدیل ہو جانے والے عناصر کو دوبارہ پہلی حالت میں لوٹا نہیں سکتی۔ پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے دوسری مرتبہ پیدا کرنا تو آسان تر ہے۔ تو اپنی ذات پر غور کر کہ اس وسیع و عریض کائنات کے مقابلے میں تیرے اس وجود کی حیثیت ہی کیا ہے۔ جس عظیم ہستی نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے اس کے لئے تمہیں دوبارہ زندگی کے مظاہرے تو تیرے سامنے مسلسل ہو رہے ہیں بشرطیکہ تیری آنکھوں میں ذوق جمال بنی ہو۔ دن کے بعد رات ضرور ہے لیکن ہر رات کے بعد پھر صبح طلوع ہوتی ہے۔ یہ حیات و ممات کا منظر نہیں تو اور کیا ہے۔ اسے چھوڑ تو خود ہر رات موت کی بہن "نیند" کی گود میں چلا جاتا ہے اور گذشتہ دن کی زندگی سے لاتعلق ہو جاتا ہے لیکن چند گھنٹوں کے بعد دوبارہ جی اٹھتا ہے۔ تیرے سامنے نباتات کی ہر نوع اسی مرحلے سے گذرتی ہے۔ زمین سے فصلیں اگتی ہیں پھر جوان ہوتی اور آخر کار پک کر چورا چورا ہو کر زمین میں مل جاتی ہیں اور ان کا نام و نشان بھی دکھائی نہیں دیتا۔ زمین بھی خشک ہو کر مردہ دکھائی دینے لگتی ہے۔ ہر طرف دھول اڑتی ہے اور ایسے لگتا ہے کہ اب یہاں کبھی بھی ہریالی نہیں ہوگی۔ لیکن جب خالق کائنات باران رحمت کا نزول فرماتا ہے تو مردہ زمین زندہ ہو جاتی ہے اور خاک تلے سوئے ہوئے بیج زندہ ہو کر پھر اگ پڑتے ہیں۔ تمہارا خالق تمہیں

بھی موت کے بعد اسی طرح زمین سے نکال کھڑا کریگا اور تم حیرت زدہ ہو جاؤ گے کہ اللہ اور اس کے رسولوں کا کہا ہوا تو سچ ثابت ہو گیا۔ مالک یوم الدین اس دن مجرمین کو مومنین سے الگ ہونے کا حکم دے کر فرمائے گا کہ کیا میں نے تم سے یہ عہد نہ لیا تھا کہ اپنے دشمن شیطان کی بندگی ہرگز نہ کرنا بلکہ میری ہی بندگی کرنا کہ یہی صراط مستقیم ہے۔ اس دن تمہاری عقل کی عیاری اور زبان کی طراری کسی کام نہ آسکے گی کیونکہ تمہارے منہ پر مہر خاموشی لگادی جائے گی اور یہ ہاتھ پاؤں جنہیں تم کج فہمی کی وجہ سے اپنا سمجھے ہوئے ہو سرکاری گواہ بن کر تمہارے خلاف مکمل شہادت دیں گے اور تو جہنم کی جس آگ کا انکار کرتا ہے اس میں ڈال دیا جائے گا۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ جو انسان بہترین صلاحیتیں دے کر پیدا کیا گیا۔ جسے اللہ تعالیٰ نے علم کا وہ مرتبہ عطا فرمایا کہ فرشتے اس کے سامنے سجدہ ریز ہو گئے۔ جسے اس کی منزل مقصود سے آشنا کرانے کے لئے کچھ عرصہ جنت میں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھیجنے سے پہلے جس سے اپنی ربوبیت کا عہد لے لیا تاکہ زمین کی عارضی قیام گاہ میں آکر اسے بھول نہ جائے۔ پھر اپنی مزید رحمت فرماتے ہوئے اس عہد کی یاد دہانی کرانے اور منزل مقصود کی طرف راہنمائی کرنے کے لئے اپنے مخلص اور منتخب بندے مبعوث کرنے کا انتظام فرمایا۔ بایں ہمہ اس کا یہ حسرت ناک انجام ہو کہ آخرت میں اسے زنجیروں میں جکڑ کر گرم پانی میں گھسیٹا جائے اور آگ کے شعلوں کے سپرد کر دیا جائے۔ پھر اس مسجود ملائک کی ٹھکائی کے لئے لوہے کے ہتھوڑوں اور گرزوں سے مسلح ترش رو اور سخت گیر فرشتے کھڑے کردئے جائیں۔

اے ابن آدم تو احسان شناس بندہ بننے کی کوشش کر! تاکہ تجھے ایمان کا نور نصیب ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تمہاری ماں کے رحم میں تمہاری صورت بنائی تو کیا خوب بنائی تمہیں سننے دیکھنے اور سمجھنے سوچنے والا بنایا تاکہ تو حقیقت شناس بن سکے۔ تو نے دنیا میں جس شے کی بھی خواہش کی۔ تیرے پروردگار نے تجھے عطا کر دی۔ اگر تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہے تو ان کا گننا تو درکنار تیری عقل تو ان سب کا احاطہ بھی نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ تجھ سے اتنی محبت کرتا ہے کہ ماں کی مثالی محبت بھی اس کے سامنے ہیچ ہے لیکن تو نے اس کی کماحقہ قدر نہ کی۔ اس نے اپنی ذات کے لئے رحمت لکھ رکھی ہے اور اس کے غضب پر اس کی رحمت کا غلبہ رہتا ہے۔ تیری لغزشوں اور کوتاہیوں کے باوجود وہ رحیم و ودود آقا اپنی نعمتوں میں کمی نہیں کرتا۔ اس کی وسیع مغفرت تجھے اپنی آغوش میں

لینے کے لئے ہر آن تیار رہتی ہے بشرطیکہ تو اسے اپنا رب مان کر اپنے کئے پر شرمسار ہو جائے اور اس کا دامن مضبوطی کے ساتھ تھام لے۔ اس منعم حقیقی نے اس دنیا میں جتنی نعمتیں تجھے دے رکھی ہیں اتنی کسی دوسری مخلوق کو نہیں دیں۔ اس کی ذات تو ہر شے سے غنی ہے۔ وہ تیری عبادت اور بغاوت دونوں سے بے نیاز ہے لیکن ایک بندہ ہونے کی حیثیت سے تیرا یہ فرض بنتا ہے کہ تو اس کی ربوبیت اور الوہیت میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے اور ان گنت نعمتیں عطا کرنے والے پروردگار کو اپنی محبت کا مرکز مان کر اس کے تمام احکام کو قبول کر کے سچا مسلم بن جائے۔ کوئی آقا اپنے غلام کی گستاخیوں اور نالائقیوں پر اگر اسے سزا دے تو یہ اس کا حق بنتا ہے لیکن اطاعت کرنے پر اسے انعام دینا ہرگز ضروری نہیں ہے۔ لیکن اپنے رحیم و کریم آقا کی وسیع رحمت اور بے پایاں محبت کا ذرا اندازہ کرو کہ اس نے اپنے اطاعت شعار بندوں کو نوازنے کے لئے نعمتوں سے بھرپور جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ یہ محض اس کا فضل ہے جو وہ اپنی خوشنودی کے اظہار کے لئے اپنے بندوں پر فرمائے گا۔

اے ابن آدم! تیرا حقیقی محبوب و معبود محض اپنی رحمت کے سبب تیرے لئے کفر کی بجائے ایمان کو پسند فرماتا ہے۔ اس سے صرف تیری بھلائی مقصود ہے۔ تجھے تیرا رب بڑے ہی پیار سے اور محبت بھرے انداز سے خود بینی اور خدا بینی کی دعوت دے کر آخرت کے انجام سے آگاہ فرماتا ہے۔

"اے انسان تجھ کو اپنے کرم گستر رب کے باب میں کس چیز نے دھوکا دیا۔ وہی تو ہے جس نے تجھے پیدا کیا۔ تیرے اعضاء کو ٹھیک کیا اور (تیرے قامت کو) معتدل رکھا اور جس صورت میں چاہا تجھے جوڑ دیا۔ مگر ہیہات تم لوگ جزا کو جھٹلاتے ہو حالانکہ تم پر نگہبان مقرر ہیں۔ عالی قدر لکھنے والے، جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں بے شک نیکو کار نعمتوں کی بہشت میں ہونگے اور بدکردار لوگ دوزخ میں۔ جزا کے دن اس میں داخل ہونگے۔ اور اس سے چھپ نہیں سکیں گے اور تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔ پھر تمہیں کیا معلوم کہ جزا کا دن کیسا ہے۔ جس روز کوئی کسی کا بھلا نہ کر سکے گا اور حکم اس روز صرف اللہ کا ہو گا" (الانفطار۔ 6 تا 19)

خزانے کا پتہ

گذشتہ ماہ ہم نے بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ کا ایک ذاتی واقعہ "فوجی فقیر" کے عنوان سے پیش کیا تھا۔ اس مرتبہ بھی ایک درویش سے آپ کی ملاقات کا حال بیان کیا جارہا ہے جس میں ضمناً "فوجی فقیر کا بھی ذکر ہے۔

"ایک مرتبہ میں اپنے ایک رشتہ دار کے ہاں گیا ہوا تھا۔ وہ سب جانتے تھے کہ میں راہ فقر کا سالک ہوں۔ میرے ایک عزیز نے بتایا کہ یہاں ایک بڑے اچھے صاحب کشف بزرگ حافظ جی کے نام سے مشہور ہیں چلو ان سے آپ کی ملاقات کرواتے ہیں۔ راستے میں میرے عزیز نے مجھے ہدایات دیں کہ ایک تو حافظ جی کو سلام نہیں کہنا وہ اس سے بہت چڑتے ہیں۔ دوسرے ان کی چارپائی پر نہیں بیٹھنا اور تیسرے ان کے حقہ کو ہاتھ نہیں لگانا۔ وہ اپنا حقہ کسی کو پینے نہیں دیتے۔ میں نے کہا کہ ٹھیک ہے۔ جب ہم ان کے کاشانہ پر پہنچے تو وہ وہاں موجود نہ تھے اور ان کی کوٹھری کو تالہ لگا ہوا تھا۔ وہ تھوڑی دیر کے بعد آ گئے تو انہوں نے خود ہی ہمیں السلام علیکم کہا۔ میرا ساتھی بڑا حیران ہوا کہ یہ تو کسی کو سلام کرتے ہی نہیں۔ پھر حافظ جی نے دروازہ کھولتے ہوئے فرمایا کہ یہاں تو بس ایک چارپائی ہے، حقہ ہے اور توحید ہے۔ ہم بھی اندر چلے گئے اور ان کی چارپائی کے سامنے پڑی ہوئی ایک پتھر کی سل پر بیٹھ گئے۔ انہوں نے مجھے کہا کہ آؤ ادھر میرے پاس چارپائی پر بیٹھ جاؤ۔ میں نے کہا نہیں میں ادھر ہی ٹھیک ہوں۔ چارپائی ویسے بھی جھلنگا سی تھی۔ پھر انہوں نے فرمایا کہ چلو آپ کو حقہ پلاتا ہوں۔ انہوں نے چلم بھرنے کے لئے حقہ اٹھایا تو میں نے اپنے ساتھی کو ٹھوکا لگایا کہ تم حقہ بھر کر لاؤ۔ حقہ آ گیا تو ہم مل کر پینے لگے۔ انہوں نے دریافت فرمایا کہ کیسے آنا ہوا۔ میں نے کہا کہ صرف آپ سے ملنے آیا ہوں۔ میرے عزیز نے عرض کیا کہ جہاں میں نے بیعت کی ہے وہ کیسے بزرگ ہیں؟ اس پر حافظ جی نے ان کے روحانی سلسلہ کا شجرہ پڑھنا شروع کر دیا اور ایک نام پر آ کر رک گئے اور فرمایا "یہ ہیں آپ کے مرشد۔ یہ تو فوت ہو چکے ہیں اچھے بزرگ تھے"

میرے عزیز نے کہا کہ آپ نے درست فرمایا یہی میرے مرشد تھے اور وہ فوت ہو گئے ہیں۔

میں نے کہا کہ فرید آباد میں مجھے ایک فقیر ملا تھا۔ اس پر حافظ جی فرمانے لگے "وہ جو قبرستان میں بیٹھا تھا، جس نے خاکی کپڑے اور فوجی بوٹ پہن رکھے تھے۔ اسے ہم نے ہی بھیجا تھا" میں نے

کہا اسے تو بات کرنے کی بھی تمیز نہ تھی۔ اس پر حافظ جی نے قہقہہ لگاتے ہوئے فرمایا کہ "فوجی ایسے ہی ہوتے ہیں"

پھر حافظ جی نے باصرار فرمایا کہ آپ بھی کچھ پوچھ لیں۔ میں نے کہا پھر کسی خزانے کا پتہ بتا دیں۔ انہوں نے فرمایا کہ خزانے کا کیا ہے جہاں سے مرضی ہے کھودنا شروع کر دو تمہیں خزانہ مل جائے گا۔ اب ہم تھے اناڑی، ہمیں یہ خبر نہ تھی کہ فقیر کی بات کو ٹوکنا نہیں چاہئے وہ جیسے کہے اس پر عمل کرنا چاہئے۔ میں نے ان کی بات ٹوکتے ہوئے عرض کیا کہ ایسے کیسے خزانہ مل سکتا ہے۔ آپ کسی خاص جگہ کی نشاندہی فرمائیں۔ انہوں نے کہا اچھا ہم خاص جگہ بتا دیتے ہیں تم ایسا کرو کہ فلاں مندر کے بڑے دروازے کے نیچے چالیس فٹ تک کھدائی کرواؤ تمہیں خزانہ مل جائے گا۔ میں نے عرض کیا کہ وہ مندر تو ایک چٹان پر تعمیر کیا گیا ہے۔ اس چٹان کی کھدائی کے لئے ہی ایک خزانہ درکار ہے۔ یہ تو بہت مشکل ہے کوئی آسان سا پتہ بتائیں۔ انہوں نے فرمایا۔ "چلو آسان سا پتہ بتا دیتے ہیں ہائی کورٹ، تیلی کا کولہو، بھوری بھینس کے سینگ اور موتی دانہ بس یہی ہے خزانے کا پتہ"

ہم نے تو خزانہ کیا ڈھونڈنا تھا لیکن ہمارے عزیز نے ضرور کوشش کی۔ اس قصبہ کے باہر کسی تباہ شدہ بستی کے آثار و کھنڈرات تھے اس نے وہاں جا کر لوگوں سے دریافت کیا کہ ادھر کوئی جگہ ہائی کورٹ کے نام سے مشہور ہے انہوں نے کہا ہائی کورٹ تو نہیں البتہ فلاں کھنڈر کو سب لوگ قاضی کی حویلی کہتے ہیں۔ وہ سمجھ گیا کہ یہی ہائی کورٹ ہے۔ اسی علاقہ میں گھومتے ہوئے اسے ایک چٹان نظر آئی جس کی ہیئت کولہو کی طرح تھی۔ اس سے اس کا مزید حوصلہ بڑھا تو وہ تیسرے نشان یعنی بھوری بھینس کے سینگ ڈھونڈنے لگا۔ ایک جگہ زمین سے تھوڑا سا باہر نکلا ہوا ایک سینگ نظر آیا۔ اسے کھودا تو بھینس کی پوری کھوپڑی نکل آئی۔ اس نے چند مزدور بلوا کر اس کے نیچے زمین کھدوائی تو چند فٹ کی گہرائی پر پتھر کی ایک سل دکھائی دی۔ اسے ہٹایا تو نیچے سے ایک صندوق نکلا اسے کھولا تو اس کے اندر بھینسوں کے گلے میں ڈالنے والے چینی مٹی کے بنے ہوئے موٹے موٹے رنگ برنگے موتی تھے۔ اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ وہ چند موتی اٹھا کر ساتھ لے آیا اور باقی موتی مزدور لوگ لے گئے۔ گھر میں بچے ان موتیوں سے کھیلتے رہے۔ ایک دن ایک بچے نے پتھر مار کر موتی توڑ دیا تو اندر سے خالص سونا نکلا۔ کسی نے سونے کو چھپانے کے لئے اوپر مٹی چڑھا رکھی تھی۔ بس اس کی قسمت میں نہیں تھا تو ہاتھ آیا ہوا خزانہ بھی نکل گیا"

خواجہ عبدالحکیم انصاری ؒ کے خطوط

(تدوین و ترتیب:۔ خالد مسعود)

(1)۔ یک در گیرو محکم گیر

(بنام حاجی محمد غوث صاحب)25-1-51

جتنے بزرگ گزرے ہیں سبھی کہہ گئے ہیں کہ "یک در گیرو محکم گیر" یعنی ایک ہی کا ہو کر رہنا چاہئے اور جب اس سے پیٹ بھر جائے اور پھر طلب سے زیادہ نہ مل سکے تو دوسرے کے در پر جانا چاہئے۔ فیض کے مختلف رنگ ہوتے ہیں۔ کوئی خالص موحد ہوتا ہے مگر شرع کا پابند نہیں ہوتا۔ کوئی شرع کی پابندی کے ساتھ موحد ہوتا ہے۔ کوئی بت پرست ہوتا ہے یعنی سب پیروں فقیروں کو دل میں بسائے رکھتا ہے۔ کوئی اللہ کے رسول سے زیادہ محبت رکھتا ہے۔ کوئی اخلاق میں کامل ہوتا ہے۔ کوئی اخلاق کا گندہ ہوتا ہے۔ اس لئے ہر در سے فیض لینا اچھی بات نہیں۔ اس میں آدمی کہیں کا بھی نہیں رہتا۔ میں نے آپ کا خط آنے سے پہلے ہی غیور کو لکھ دیا تھا کہ یہ اچھا نہیں ہے باقی اس کی مرضی۔ غیور نے اپنی اس عادت سے بہت نقصان اٹھایا ہے اور ابھی اور اٹھائے گا۔ میں تو ان لوگوں سے تنگ آگیا ہوں۔ اب اللہ ہی ان کو ہدایت کرے۔ میرا کہنا تو یہ لوگ مانتے نہیں"

(2) دو کشتیوں میں سفر

(بنام محمد صدیق ڈار صاحب)7-2-64

"میں نے ماسٹر نذیر صاحب کے دوست رشید صاحب کو لکھ دیا ہے کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ کر دریا کا سفر کرنے والا ہمیشہ ڈوبتا ہے۔ اب وہ جانیں اور ان کا

کام۔ سیدھی بات یہ ہے کہ وہ انکی بیعت فسخ کرکے ہمارے حلقہ میں شامل ہو جائیں۔ یوں تو ان کے پیر دوسری جگہ اجازت تو کبھی بھی نہ دیں گے۔ کون اجازت دیا کرتا ہے"

(3)۔ صرف ٹیچر ہوں

(بنام مخدوم ریاض حسین 64-12-26)

"آپ مجھ سے غلط قسم کی توقعات رکھتے ہیں۔ مجھ کو نہ علم غیب ہے نہ اللہ کے خزانوں کی کنجیاں میرے ہاتھ میں ہیں۔ نہ میں اپنا برا بھلا کر سکتا ہوں نہ کسی دوسرے کا۔ صرف ٹیچر ہوں۔ جو کوئی اللہ اللہ سیکھنا چاہے سبق دے دیتا ہوں۔ وہ یاد کرکے تو اس کی ترقی ہو جاتی ہے نہ کرے تو میں کچھ نہیں کر سکتا۔ دعا کر سکتا ہوں سو وہ میں کرتا رہتا ہوں اور جو قاعدہ ہے اس طرح کرتا ہوں۔ قبولیت اللہ کے ہاتھ میں ہے میں اللہ کو مجبور نہیں کر سکتا۔"

(4)۔ سلوک کی تکمیل

(بنام محمد قاسم صاحب۔65-3-4)

"...... پھر بھی موت کا وقت کسے معلوم ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں، خدا جانے کس وقت بلاوا آجائے میں مر بھی جاؤں گا تو آپ کا سلوک تو مکمل ہو کر رہے گا۔ یہ کوئی میرے ہاتھ میں نہیں ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا اپنا انتظام ہے۔ جیسے ہر ایک کا رزق مقرر کیا ہوا ہے۔ ایسے ہی ہر ایک کی رُوحانی ترقی مقرر کی ہوئی ہے۔ آپ کے لئے جو کچھ ہے مل کر رہے گا۔"

موت کا ذائقہ

ایم ایچ خان

زندگی کیا ہے عناصر کا ظہور ترتیب
موت کیا ہے ان ہی اجزا کا پریشاں ہونا

موت ایک ایسی راہ ہے جس سے ہر ذی روح کو گزرنا ہے۔ ابتدائے آفرینش سے قضا و قدر کا سلسلہ جاری ہے اور ہر ذی روح، موت کے ذائقے سے ہمکنار ہو رہا ہے۔ اس بات کی تصدیق کے باوجود کہ موت کا ذائقہ ہر ذی روح کو چکھنا ہے، اس ازلی حقیقت "موت" کے اسرار ہنوز اب بھی دردن خانہ محفوظ ہیں جن کا اگلی سطور میں ادراک حاصل کرنا ہمارا منتہی ہے۔ موت کے کئی مترادفات ہیں مثلاً "مرنا، انتقال کرنا، اجل اور قضا وغیرہ۔ "مرنا" ہندی لفظ "امر" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کے ہیں۔ انتقال سے مراد منتقل ہونا ہے لفظ "قضا" کا مفہوم مشیت الٰہی ہے۔ اجل سے مراد موت کا وقت ہے۔

موت کے کئی معنوں میں ایک اور لفظ "قضا" استعمال کیا جاتا ہے جس کے معنی مشیت الٰہی کے ہیں۔ اس طرح اجل کا مطلب ہے وقت یعنی موت کا وقت۔ کمیونزم اور دہریت پر مبنی نظریات سے صرف نظر کر کے بھی دیکھیں تو تمام مذاہب میں موت کے معنوں میں جو بھی الفاظ استعمال ہوتے ہیں ان کے معنی نیست و نابود ہو جانا نہیں ہیں۔

موت کو سمجھے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

"موت" اللہ کے قرب کا ایک راستہ ہے۔ نورانی دنیا تک پہنچنے کا استعارہ ہے، ماورائی عروج کا سرچشمہ ہے اور نہایت پر سکون اور پر کیف احساس ہے مگر تحقیق کی کمی اور چند فرسودہ اور بے معنی روایات کی وجہ سے اس GODKEY کا استعمال انسان نہیں سیکھ سکا بلکہ اس کے برعکس اس پر سکون کیفیت کو اتنا بھیانک اور خوفناک رنگ دے دیا گیا کہ ہر شخص اس سے خوفزدہ دکھائی دیتا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ہر نفس کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے"
اس آیت مبارکہ میں "ذائقہ" استعارا" یعنی CODE WORD کے طور پر استعمال کیا گیا

ہے۔ ہم عام طور پر ذائقہ کو تلخ اور شیریں دو ذائقوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ افسوسناک امر یہ ہے کہ ہمارے سامنے عمومی طور پر موت کا صرف تلخ اور ہولناک روپ ہی پیش کیا گیا۔ اس کے لئے بعض مبلغین نے جذبات کی رو سے انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہ کرامؓ اور صوفیائے عظامؒ تک کو نہیں چھوڑا اور موت کی سخت تکلیف و اذیت کے واقعات گھڑ کر ان مقدس ہستیوں سے منسوب کر دیئے ہیں۔

اگلی سطور میں سائنس، سائیکالوجی، پیراسائیکالوجی اور بائیو کیمیاوی دلائل کے ساتھ ساتھ ہم قرآن، حدیث، روحانیت اور صوفیائے کرام کی تعلیمات و واقعات اور شواہد سے موت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیں گے۔

موت کی تحقیق میں سائیکالوجی کا کردار 1882ء میں سوسائٹی برائے نفسیاتی تحقیق قائم ہوئی تو اس مظہر پر سنجیدگی سے تحقیق کا آغاز ہوا۔ 1926ء میں رائل سوسائٹی کے ایک ماہر نفسیات نے اس موضوع پر اپنی ایک کتاب شائع کی۔ اس کتاب میں ایسے لوگوں کے مشاہدات بھی درج تھے۔ جنہوں نے مرنے سے پہلے دوسری دنیاؤں کو دیکھا تھا۔ وہ اپنا مشاہدہ بھی بیان کر رہے تھے۔ اور دوسری جانب رفتہ رفتہ موت سے قریب ہو رہے تھے۔ ایسے واقعات بھی تھے جنہوں نے مرنے کے وقت مخصوص آوازیں سنیں۔

امریکی ماہر نفسیات چارلس ٹارٹ نے ایک تجربہ میں ایک خاتون کو بستر پر لٹا دیا۔ یہ بستر ایسا تھا کہ پانچ بستر اوپر تلے لگے ہوئے تھے۔ رات کو خاتون کو OUT OF BODY) OBE EXPERIENCES) کا تجربہ کرایا گیا۔ سائیکالوجی میں یہ ایک مخصوص طریقہ ہے جس میں مریض کو لاشعوری کیفیات میں پہنچا دیا جاتا ہے اور مریض کے جسم میں سے ایک اور جسم نکل آتا ہے خاتون کو جو OBE سے گذارا گیا تو اس کا غیرمادی جسم اس سے الگ ہو گیا۔ خاتون نے بتایا کہ اس کا غیر مادی جسم اس الجھن میں مبتلا رہا کہ وہ واپس اسی بستر پر آئے جہاں اس کا مادی جسم ہے یا مادی جسم اوپر آ جائے۔

OBE کے حوالے سے سائیکاٹرسٹ شش و پنج میں مبتلا ہیں اور ان میں بہت سے ایسے سوال اٹھ رہے ہیں جن کے جوابات حاصل کرنا ضروری تو ہے لیکن اس وقت تحقیق اس دائرے میں داخل نہیں ہو سکی ہے مثلاً غیرمادی جسم کہاں چلا جاتا ہے اگر اس کی دوسری دنیا بھی اس دنیا کا ہی ایک حصہ ہے تو اس دنیا کو بھی ناپا یا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے؟ جہاں غیرمادی جسم پہنچتا ہے کیا وہ کوئی سیارہ

ہے؟ اگر وہ سیارہ ہے تو اس کا زمین سے فاصلہ کیا ہے؟ اور اس سے ہماری زندگی تک کی گزر گاہ کون سی ہے جس سے غیر مادی جسم آتا یا جاتا ہے؟

بہرحال سائیکاٹرسٹ اپنے سوالات کے جوابات کی کھوج میں مصروف ہیں اور موت کی حقیقت اور غیر مادی جسم کی تلاش میں کوشاں ہیں۔

اب ہم سائنس کا موت کے حوالے سے نقطہ نظر بھی دیکھتے ہیں۔

موت کی تحقیق میں سائنس کا کردار

موت کے مطالعے کا سائنسی بنیادوں پر آغاز پچھلی صدی میں اس وقت ہوا جب طبعی سائنس اور ارتقا EVOLUTION کے نئے نظریئے نے ایک ساتھ مل کر کام کیا لیکن اس وقت بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ روح موجود نہیں ہے۔

1975ء میں ایک امریکی ڈاکٹر اور فلسفی ریمنڈ موڈی کی کتاب "LIFE AFTER LIFE" شائع ہوئی تو دنیا بھر میں تہلکہ مچ گیا۔ ڈاکٹر ریمنڈ موڈی RAYMOND MOODY نے کئی ایسے افراد پر تحقیق کی تھی جو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے تھے۔ ان افراد نے بڑی عجیب و غریب کہانیاں سنائیں۔ دراصل انہوں نے NDE کیا تھا NDE (NEAR DEATH EXPERIENCES) کا مخفف ہے جس کے معنی قریب المرگ افراد کے تجربات کے ہیں۔ یہ وہ تجربہ ہے جس میں مرنے والا خود اپنی موت کی داستان سناتا ہے۔ عموماً اکثر افراد کا ابتدائیہ یوں ہوتا ہے کہ اچانک گھنٹی کی سی ٹن ٹن یا مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ پھر ایک چمکیلی روشنی کی سمت میں ایک اندھیری سرنگ کے اندر نیچے سے اوپر کی جانب سفر شروع ہوا۔ مریض اپنے مادی جسم کو اپنے لطیف جسم سے کچھ فاصلے پر دیکھتا ہے اور خود حالات کا جائزہ لیتا ہے۔ اسی اثناء میں "روشنی کی کوئی نوع" اس کے پاس آتی ہے جو اسے گزری ہوئی زندگی کے واقعات دکھاتی ہے کچھ مقامات پر جانے سے اس کو روک دیا جاتا ہے اور اسے واپس ہونا پڑتا ہے۔ وہ وہاں خوش دلی سے رہتا ہے وہاں امن ہے' محبت ہے' حتیٰ کہ اس کے کچھ بچھڑے ہوئے عزیز بھی جن کا پہلے انتقال ہو چکا تھا۔ وہاں مل گئے۔

ان واقعات کو سننے کے بعد ابتداء میں بہت سے سائنسدانوں نے اس پر یقین نہیں کیا۔ ان کا کہنا تھا کہ موڈی نے یہ سب کچھ بلا تحقیق لکھا ہے۔ بہرحال اس مسئلے پر تحقیق جاری رہی۔ ایک ماہر امراض قلب نے 20 سال سے 200 سے زائد افراد سے بات چیت کی اور یہ کہا کہ نصف سے

زائد افراد نے موڈی کی بات کی حمایت کی ہے۔ 1986ء میں ایک اور ماہر نے یہ ثابت کیا ہے کہ تقریباً" ہر سات بالغ امریکیوں میں سے ایک موت سے کس قدر قریب ہو چکا ہے اور ہر بیس میں سے ایک فرد کو NDE کا تجربہ ہو چکا ہے۔

ایک یونیورسٹی کے پروفیسر کیتھ رنگ نے 102 افراد کا مطالعہ کیا جو موت کے قریب تر ہو گئے تھے اور انہوں نے پچاس فیصد تک اس احساس کا تجربہ کیا تھا جس کو "ذہنی تجربے" کا نام دیا گیا۔ پروفیسر کیتھ رنگ نے اس تجربے کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا۔ سکون، جسمانی علیحدگی، تاریکی کا سفر روشنی کا مشاہدہ اور روشنی کا سفر۔ NDE کا اب تک مختلف زاویہ ہائے نگاہ سے مطالعہ کیا گیا ہے اور بنیادی طور پر تمام یکساں نتائج سامنے آئے ہیں۔ کچھ NDE کے مظاہرے بچوں میں بھی دیکھے گئے۔

NDE سے قریب تر زندہ لوگوں کے تجربات میں عموماً" ایسا لگتا ہے کہ آپ کسی بلندی پر کھڑے ہیں اور نیچے کسی گہرائی میں دیکھ رہے ہیں۔ ایسے جذبات اور مشاہدات سے بہت کم افراد گزرے ہیں۔ ایسے لوگوں کا بیان ہے کہ "میں نے جنت کی سیر کی" یا "میرا جسم مجھ سے الگ تھا اور مجھے سب معلوم ہے جو میرے ساتھ بیتا"۔

موت کے بعد زندگی کا ریکارڈ

"LIFE AFTER LIFE" میں موت کے بعد زندگی کے ریکارڈ یا اعمال نامہ سے متعلق کئی واقعات لکھے گئے ہیں اور قابل غور بات یہ ہے کہ ان میں مذاہب کی بھی کوئی تفریق دکھائی نہیں دیتی۔ ایک خاتون اپنا مشاہدہ بیان کرتی ہیں "جب مجھے نورانی وجود نظر آیا تو اس نے سب سے پہلے مجھ سے یہ پوچھا کہ تمہارے پاس اپنی زندگی میں مجھے دکھانے کے لئے کیا ہے؟ اس کے ساتھ ہی مجھے پچھلی زندگی کے نظارے دکھائی دینے لگے۔ میں سخت حیران ہوئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیونکہ اچانک ایسا لگا کہ میں اپنے بچپنے کے بالکل ابتدائی دور میں پہنچ گئی ہوں اور پھر میری آج تک کی زندگی کے ہر سال کا نظارہ میرے سامنے آ گیا۔ میں نے دیکھا کہ ایک چھوٹی سی بچی ہوں اور اپنے گھر کے قریب ایک چشمے کے پاس کھیل رہی ہوں۔ اس دور میں بہت سے واقعات جو میری بہن کے ساتھ گزرے تھے، نظر آئے پھر میں گرلز اسکاؤٹس میں شامل ہو گئی اور گرامر اسکول کے واقعات میرے سامنے آنے لگے۔ اسی طرح میں جونیئر ہائی اسکول، سنیئر ہائی اسکول اور گریجویشن کے مراحل سے گزرتی رہی یہاں تک کہ موجودہ دور تک پہنچ گئی۔ تمام واقعات میرے سامنے اسی ترتیب سے آ رہے تھے

جس ترتیب سے یہ واقع ہوئے اور یہ سب واقعات انتہائی واضح نظر آرہے تھے۔ اس کے علاوہ تمام واقعات مکمل طور پر THREE DIMENTIONAL اور رنگین تھے۔ جب مجھے یہ مناظر نظر آرہے تھے اس وقت وہ نورانی وجود دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ تمام واقعات کا دورانیہ بہت کم تھا غالباً صرف تیس سیکنڈ لیکن میں ٹھیک ٹھیک نہیں بتا سکتی"۔

ایک اور صاحب نے اپنے مشاہدے کا ذکر یوں کیا "جب میں اس طویل سرنگ میں سے گزر گیا تو اس کے آخری سرے پر میرے بچپن کے تمام خیالات بلکہ میری پوری زندگی مجھے وہاں نظر آئی۔ یہ تصویروں کی طرح نہیں تھی۔ بلکہ وہ خیالات سے زیادہ ملتی جلتی تھی۔ میں وہ تمام کام دیکھ سکتا تھا جو میں نے تمام زندگی میں کئے تھے۔ میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی۔ کہ کاش میں نے ان میں سے بعض کام نہ کئے ہوتے اور کاش میں واپس جا کر ان کاموں کو UNDO منسوخ کر سکتا"۔

ڈاکٹر ریمنڈ موڈی نے اس کتاب کے علاوہ دو مزید کتابیں THE LIGHT BEYOND اور REFLECTION ON LIFE AFTER LIFE بھی لکھیں۔ ڈاکٹر موڈی نے اپنی پہلی کتاب کے بارے میں لکھا تھا کہ ان کی ریسرچ پوری طرح سائنٹفک ثبوت کہلانے کی مستحق نہیں ہے۔ اس شبہ کا ازالہ انہوں نے اپنی اگلی کتابوں میں کیا۔ ان کے بعد بہت سے دوسرے ماہرین نے موت پر تحقیق شروع کر دی۔ ان ہی میں سے ایک کتاب ڈاکٹر میلون مورس MELVIN MORSE نے لکھی جو CLOSER TO THE LIGHT کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں بچوں پر OBE کے تجربات کا جائزہ لیا گیا۔ اس کتاب کو ایک لاجواب تحقیقی کتاب کہا جا سکتا ہے۔ ایک اور صاحب پالسٹر جارج گیلپ (GEARGE GALLUP POLLESTER) نے پورے امریکہ میں ایسے لوگوں کا سروے کیا جو اس قسم کے مشاہدات سے گزر چکے تھے۔

موت کی گزر گاہ

موت کے بعد آدمی محسوس کرتا ہے کہ دور بہت دور ایک سفید نقطہ ہے اور چاروں جانب اندھیرا ہے اور میں اس سفید نقطے کی جانب بڑھ رہا ہوں۔ یہ نقطہ بڑا ہوتا چلا جاتا ہے۔ بعض لوگ اس گزر گاہ کو سرنگ قرار دیتے ہیں اور اس کی حد پر سفید اور ٹھنڈی روشنیوں کے کسی مقام پر چلے جاتے ہیں۔

گزر گاہوں کا تذکرہ صرف قریب المرگ تجربات میں ہی نہیں ملتا بلکہ ایسی گزر گاہیں مرگی کے

دوروں میں گہری نیند میں، دوران مراقبہ اور اور بعض اوقات آرام RELAX کے دوران بھی نظر آتی ہیں۔ اگر دونوں آنکھوں کے ڈیلوں پر دباؤ ہو اور خاص قسم کی ادویات استعمال کی جائیں تو بھی گزرگاہ کا تجربہ ہوتا ہے۔ ایک ماہر خود اس تجربے سے کئی بار گزرے، وہ لکھتے ہیں "اس میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پوری دنیا ایک گرجدار اور ارتعاش پذیر گزرگاہ میں تبدیل ہو گئی ہے اور ہم سب اس کے سرے پر موجود ایک روشنی کی جانب اڑے جا رہے ہیں"

آج کل پیدائش سے متعلق ایک نظریہ بہت مقبول ہو رہا ہے کہ جب کوئی ماں کی کوکھ سے جنم لیتا ہے تو وہ ایک مرتبہ پھر پیدائش یا پیدائش نو کا لمحہ ہوتا ہے۔ گزرگاہ ایک پیدائشی راستہ ہے اور سفید روشنی اس دنیا کی روشنی ہے جس میں سے وہ بچہ آیا ہے۔ اس نظریئے کی مقبولیت میں مشہور ماہر فلکیات کارل ساگان کا بہت ہاتھ تھا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ NDE کو واضح نہیں کیا جا سکا ہے۔ اس نظریئے کے مطابق یہ کہا جا رہا ہے کہ بچہ جس روشنی کے جہان سے یا راستے سے آتا ہے، مرنے کے بعد وہیں واپس چلا جاتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ واپسی میں اسے راستے کو سمجھنے کا شعور حاصل ہو سکتا ہے جو بچے کو نہیں ہوتا۔ ماہرین کے مطابق بچوں کو روشنی کی اس گزرگاہ کے بارے میں معلوم ہوتا ہے لیکن ان میں لوگوں تک اپنی بات پہنچانے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ یا وہ (بچے) یہ سمجھتے ہیں کہ بڑے بھی ان مظاہر کو اسی طرح دیکھ رہے ہیں۔ عمر کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ یہ صلاحیت خوابیدہ ہوتی چلی جاتی ہے بالآخر بالغ شعور تک پہنچتے پہنچتے دماغ زمانہ طفولیت کی باتیں بھول چکا ہوتا ہے اس لئے اسے کچھ معلوم نہیں ہوتا۔ یہ اصول ہے کہ اگر دماغ میں کسی یادداشت کو ابھارا نہ جائے یا اسے یاد کرنے کی کوشش نہ کی جائے تو وہ دماغ کے اسٹور (بھول کے خانے) میں چلی جاتی ہے جو موت کے وقت ہی پردہ اخفی سے سامنے آتی ہے۔

پیدائش سے قبل واقعات کو جاننے کا ماہرین کے پاس ایک طریقہ HYPNOSIS ہے جس کی مدد سے ماضی میں ان کی پیدائش کے وقت تک لے جا کر بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا ہے۔ یعنی عموماً یہ یادداشتیں بھول کے خانے میں چلی جاتی ہیں تو HYPNOSIS ایسا طریقہ ہے جس سے اس منظر کو دوبارہ دیکھا جا سکتا ہے۔

آج سائنس نے اس نظریئے کی تردید کر دی ہے کہ بچے کا ذہن کورے کاغذ کی مانند ہوتا ہے۔ درحقیقت دماغ ہر منظر ہر عمل اور ہر کام کو ریکارڈ کرتا چلا جاتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہوتا ہے کہ جو منظر دہرایا نہ جائے وہ بھول کے خانے میں محفوظ ہو جاتا ہے لیکن اسے ضائع ہونا نہیں کہا جا سکتا

بلکہ NDE کے مبتدیوں نے اس بات کی توثیق کی ہے کہ موت کے وقت پوری زندگی کا ریکارڈ جو دماغ برسوں سے جمع کرتا آیا تھا' سامنے آ گیا۔

موت کا منظر دیکھنے کی حس دماغ کے کس حصے میں ہے؟

1930ء میں شکاگو یونیورسٹی کے ماہر کلور نے موت کے بعد کے مناظر کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ گزر گاہ، مخروطی یا چکر دار سلسلہ' جالی' مکڑی کا جالے نما منظر۔ یہ چاروں اقسام باقاعدگی سے مشق کے بعد دماغی حصے VISUAL CORTEX سے ہے۔ یہ حصہ دماغ میں رہتے ہوئے بصری معلومات فراہم کرتا ہے۔ یونیورسٹی آف شکاگو کے ماہر عصبی حیاتیات جیک کرون نے CORTEX VISUAL کو گزر گاہ کی معلومات حاصل کرنے میں استعمال کیا۔

ہمارے دماغ میں اربوں سیلز موجود ہوتے ہیں۔ CORTEX سے متعلق ایک اہم بات یہ ہے کہ بصری میدان کے مرکز کی نمائندگی کرنے والے بہت سے سیلز ہوتے ہیں لیکن ان میں سے شاذ و نادر ہی کو انسان استعمال کرپاتا ہے۔ اگر CORTEX کو بہتر طریقے سے سمجھ لیا جائے یا اس کے زائد از سیلز کو استعمال کرایا جائے تو موت کے بعد کے مناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق جب دماغ درست طبعی حالت میں (یعنی استعمال شدہ خلیوں کے ساتھ) ہوتا ہے تب ہی گزر گاہ کا مشاہدہ ہونا چاہئے۔ جدید تحقیقات سے یہ عجیب بات بھی سامنے آئی ہے کہ NDE کا تجربہ موت سے قریب ہونے پر نہیں ہوتا بلکہ تجربہ کرنے والے افراد یہ سوچتے ہیں کہ وہ مر رہے ہیں۔

نابینا افراد میں NDE کے متعلق یہ خیال ہے کہ اگر کوئی شخص آنکھوں میں کسی خرابی کی وجہ سے نابینا ہے لیکن اس کا CORTEX بالکل درست ہے تو ایسے نابینا افراد کو بھی گزر گاہ نظر آسکتی ہے۔ لیکن اگر ان کا نابینا پن CORTEX کسی خرابی کی وجہ سے ہے تو ایسا ممکن نہیں۔ یہ اتنا پردلیل ثبوت نہیں کیونکہ نابینا لوگ خواب بھی دیکھتے ہیں اور موت کے سرور سے بھی ہمکنار ہوتے ہیں۔ بہرحال یہ تمام پیش گوئیاں ابھی تجربات اور معائنے کے مراحل سے گزرنی ہیں اور یہ نظریات ابھی مزید تحقیق کے متقاضی ہیں۔ اگر ان نظریات کو بالکل اسی طرح قبول کرلیا جائے جیسا کہ بعض ماہرین بتاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ حقیقی گزر گاہ کا وجود نہیں ہے بلکہ موت کے بعد کی گزر گاہ صرف فریب نظر ہے۔ لیکن گزر گاہ کے وجود کی ایک خالص طبی وجہ بھی ہے اور یہ وجہ VISUAL CORTEX میں بے ہنگم آوازیں ہیں جس سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے۔ اس لئے

ماہرین کی اکثریت گزرگاہ کی طبعی حیثیت کی قائل ہے۔ دراصل دونوں نظریات دیکھنے کی دو طرزوں کی وضاحت کرتے ہیں۔ اول الذکر ماہرین دماغ میں CORTEX کی کارکردگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو خیال کرتے ہیں کہ اسی حصے کے خلل کی وجہ سے مناظر دکھائی دیتے ہیں اور آخر الذکر کے مطابق دیکھنے کی حس چونکہ اسی وقت کام کرتی ہے جب نظر کے سامنے کوئی منظر ہو لہٰذا CORTEX میں گزرگاہ کا نظارہ "حس اور منظر" کی وضاحت کرتا ہے۔

موت کے وقت کی آوازیں

ہم جانتے ہیں کہ آواز لہروں WAVES کی صورت میں سفر کرتی ہے۔ آواز ایک تھرتھراہٹ یا ارتعاش ہے جو انسان سمیت دنیا میں موجود لاکھوں اشیاء پیدا کرتی ہیں۔ جب ہم بولتے ہیں تو ہمارے نرخرے میں موجود گوشت کے دو ننھے منے ٹکڑے تھرتھراتے ہیں۔ یہ تھرتھراہٹ ہوا میں لہروں کی صورت میں منتقل ہو جاتی ہے۔ یہ لہریں جو خود ہمارے اور دوسروں کے کان کے پردے سے ٹکراتی ہیں تو آواز کانوں کے راستے ذہن کے پردے پر مرتکز ہو جاتی ہے۔ ایک سیکنڈ میں ہوا کے اندر جتنی لہریں پیدا ہوتی ہیں اسے آواز کی فریکونسی کہتے ہیں۔ فریکونسی جتنی کم ہوتی ہے آواز اتنی ہی بھاری ہوتی ہے اور جتنی زیادہ ہوتی ہے آواز اتنی ہی باریک اور تیز ہوتی ہے۔ ایک سادہ اور عام مثال لیجئے مردوں کی آواز کی فریکونسی عورتوں اور بچوں سے کم ہوتی ہے۔

انسانی کان دنیا کی ہر آواز نہیں سن سکتے۔ ایک عام آدمی کے کان صرف وہی آواز سن سکتے ہیں جن کی فریکونسی 16 اور 16000 کے درمیان ہو۔ 16 سے کم یا 16000 سے زیادہ فریکونسی کی آوازیں ہمارے کان نہیں سن سکتے۔ لہٰذا سائنسدان انہیں سننے کے لئے مشینی آلات سے مدد حاصل کرتے ہیں لیکن ان کی بھی ایک مخصوص حد ہے جہاں تک وہ آوازوں کو سن سکتے ہیں۔

NDE کے مشاہدات سے ثابت ہوتا ہے کہ موت کے وقت ایک مخصوص آواز سنائی دیتی ہے جسے بعض نے گھنٹی سے مشابہہ، سیٹی کی مانند، مکھی کی بھنبھناہٹ سے قریب تر یا سمندری لہروں کے سطح زمین سے ٹکرانے کی آواز سے ملتی جلتی قرار دیا ہے۔ ان آوازوں کو سننے کے لئے سائنس ابھی تک کوئی آلات وضع نہیں کر سکی ہے اور یہ بھی نہیں معلوم کہ ان آوازوں کے فریکونسی 16 سے کم ہے یا 16000 سے زیادہ ہے۔

آئیے اب ہم اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ موت کے وقت سنائی دینے والی آوازوں کا ماخذ کیا

ہے؟ دراصل سماعت اور کان کے افعال کا تعلق دماغ کے خاص حصے TEMPORAL LOBE سے ہے۔ جس طرح ماہرین نے بعد از موت گزرگاہ کا تجزیہ دماغی حصے VISUAL CORTEX سے مطالعہ کیا اسی طرح بعد از موت آوازوں کو TEMPORAL LOBE سے سمجھا جا سکتا ہے۔ پہلے بھی اس بات کا ذکر کیا جا چکا ہے کہ دماغ کے کثیر سیلز ہم استعمال نہیں کر پائے ہیں۔ اگر TEMPORAL LOBE کے سیلز صحیح طور پر استعمال میں آسکیں تو موت سے قبل ہی ان آوازوں کو سنا جا سکتا ہے۔ بعض ماہرین یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ موت کے وقت TEMPORAL LOBE میں سیلز کی ہیجان خیزی اچانک تجربے کا باعث بن سکتی ہے جو یادداشتوں کی حیات نو کی مانند محسوس ہوتی ہے۔ اس نظریئے کے مطابق جب یادداشتیں تازہ ہوں گی تو اس وقت دکھائی دینے والا نظام بالکل حقیقی ہو گا یعنی موت کے بعد کی زندگی خیالی یا تخیلاتی نہیں ہے۔

کمپیوٹر کی مدد سے موت کا تجزیہ

CORTEX کے بصری میدان کے مرکز کی نمائندگی کرنے والے بہت سے سیلز ہوتے ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ایک ہی قابل استعمال حالت میں پائے جاتے ہیں۔ دراصل موت کے منظر کا صحیح تجزیہ کرنے کے لئے ان سیلز کا متحرک ہونا بہت ضروری ہے۔ ہم اس سادہ نقطہ (یعنی بصری میدان کے مرکز) کو ابتدائی مقام کے طور پر لیتے ہیں اور یہ دیکھنے کے لئے کہ جب CORTEX میں بتدریج برقی رفتار بڑھتی ہے یا سیلز بیدار ہوتے ہیں تو کیا ہوتا ہے' اس کے لئے ایک کمپیوٹر استعمال کرتے ہیں۔ کمپیوٹر کے ایک خاص سافٹ ویئر سے نظر آتا ہے کہ پھیلے ہوئے روشنی کے باریک نقطوں سے آغاز ہوتا ہے۔ اس کے بڑھنے یا پھیلنے کی رفتار درمیان میں زیادہ اور کناروں پر نسبتاً کم ہوتی ہے۔ آہستہ آہستہ ان نقاط میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ جب کہ بڑھتی ہوئی آواز کی باریکی بھی بڑھتی ہے۔ اب مرکز ایک سفید گولے کی مانند نظر آنا شروع ہوتا ہے اور بیرونی کنارے بھی نقطوں سے بھرتے چلے جاتے ہیں اور اس وقت تک مسلسل بھرتے رہتے ہیں جب تک کہ پوری سکرین سفید نہ ہو جائے۔ یہ منظر بالکل واضح ہوتا ہے یوں لگتا ہے کہ ایک تاریک داغدار گزرگاہ ہے جس کے آخری سرے پر سفید روشنی ہے اور یہ روشنی زیادہ سے زیادہ ہوتی رہتی ہے یا قریب سے قریب تر ہوتی جاتی ہے جب تک کہ آپ اس میں داخل نہیں ہو جاتے۔

موت کا بائیو کیمیاوی تجزیہ

آپ حالت بیداری میں ہوں یا خواب غفلت میں ہر حال میں اور اس وقت بھی جب کہ آپ ان چند سطور کے مطالعے میں مصروف ہیں' آپ کے جسم کے اندر تغیر و انقلابات کا ایک بحر بیکراں سرگرم عمل ہے۔ یہ بات اب تقریباً" سب ہی جانتے ہیں کہ ہر زندہ چیز بہت سے چھوٹے چھوٹے سیلز اور بافتوں سے مل کر بنی ہے۔ جس طرح مکان کی تعمیر میں اینٹوں اور گارے کی ضرورت پڑتی ہے اسی طرح ہمارے جسم کی عمارت بھی سیلز کی ننھی ننھی لا تعداد اینٹوں پر مشتمل ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مکان میں بالعموم اینٹیں ایک ہی شکل و صورت ایک ہی سائز اور نمونے کی ہوتی ہیں لیکن سیلز مختلف شکل و شباہت اور جسامت رکھتے ہیں۔ جس طرح دوسرے جانداروں کو زندہ رہنے کے لئے خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سیلز کو بھی خوراک کی ضرورت ہوتی ہے اور دوسرے بڑے جانداروں کی طرح یہ ننھے اجسام بھی نشوونما' زندگی یا موت سے ہمکنار ہوتے ہیں۔ درحقیقت ایک سیل بھی شعور رکھتا ہے کیونکہ یہ ہر لمحہ پیدائش' غذائی ذخیرہ اندوزی' مواصلات' نقل و حمل' تعمیر و ترمیم' فضلے کے اخراج' جسمانی حرارت پر قابو اور جسم کے دیگر انتظامات پر بڑی کڑی نظر رکھتا ہے۔ باوجود یہ کہ جسم میں سیلز لاکھوں' اربوں یا کھربوں کی تعداد میں ہوتے ہیں مگر ان کی آپس میں ہم آہنگی اور COORDINATION قابل دید اور فقید المثال ہوتی ہے۔ سیل کے خوردبینی مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کے تین اہم حصے ہوتے ہیں۔ ایک مرکزہ NUCLEUS دوسرا سائٹو پلازم CYTOPLASM اور تیسرا خلوی جھلی CELL MEMBRANE جسم کے اس چھوٹے سے چھوٹے حصے یعنی سیل میں تقریباً" وہ تمام صلاحیتیں ہوتی ہیں جو کسی بڑے جسم کے لئے ضروری ہیں۔ سیل جس بیرونی جھلی CELL MEMBRANE سے گھرا ہوتا ہے وہ چھلنی کا کام انجام دیتی ہے۔ اسی کے ذریعہ غذا سیل میں داخل ہوتی ہے جہاں سے حقیر ترین نالیوں کے ذریعے ان کی مزید تقسیم عمل میں آتی ہے اور اسی جھلی کے ذریعہ فضلات گزر کر نظام اخراج قائم کرتے ہیں۔ فضلے کے اخراج کو سیل کا دوسرا حصہ یعنی سائٹو پلازم CYTOPLASM کنٹرول کرتا ہے۔ سیل سانس بھی لیتا ہے جسے CELLULER RESPIRATION یعنی سیل کا تنفس کہتے ہیں۔ تنفس کے اس نظام کو سنبھالنا بھی سائٹو پلازم کی ذمہ داری ہے۔ تیسرا اور سب سے لازمی جزو مرکزہ NUCLEUS ہے جو سیل کی تمام ساخت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اس کے اندر چھیالس دھاگے نما اجسام کروموسوم CHROMOSOMES ہوتے ہیں۔ البتہ EGG CELLS اور CELL SPERM اس سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ ان میں CHROMOSOMES کی تعداد ڈیڑھ گنا زیادہ ہوتی

ہے۔ CHROMOSOMES میں DNA اور اس کی کاپی RNA ہوتی ہے۔ GENE کروموسوم کا وہ حصہ ہے جو ایک مکمل پروٹین بنانے کے لئے احکامات دیتا ہے۔ مرکزہ NUCLEUS میں پوری شخصیت کا ریکارڈ پوشیدہ ہوتا ہے۔

ہمارے سیلز کی موت یا زندگی

یہاں تک تو ہم نے سیل کی ساخت اور اس کے افعال کا مجمل خاکہ بیان کیا۔ اب ہم اس کی موت و حیات کا تجزیہ کرتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلی سطور میں ہم نے مطالعہ کیا کہ سیل سانس لیتا ہے، اس میں تغذیہ (غذا کے حصول) اور فضلے کے اخراج کی صلاحیت ہوتی ہے، اس میں جسم کی شخصیت سے متعلق کردار محفوظ ہوتا ہے اور تمام افعال سے متعلق سیلز اپنی ذمہ داریوں کا شعور رکھتے ہیں۔ سیل کی ان خصوصیات کو ہم زندگی کہہ سکتے ہیں۔ جہاں زندگی کا تصور در آتا ہے وہیں موت کا تذکرہ بھی زیر بحث آتا ہے۔ سیل میں موت و حیات دونوں کیفیات پائی جاتی ہیں۔ آیئے اس کا سائنسی طور پر جائزہ لیتے ہیں۔

جس طرح ایک عمارت بہت سی اینٹوں سے مل کر بنتی ہے اسی طرح ہمارا جسم بھی سیلز سے بنا ہے۔ جہاں بات ہو عمارت کی تو وہاں شکست و ریخت بھی ہوتی ہے اور نئی تعمیر بھی عمل میں آتی ہے۔ اسی طرح ہمارے جسم میں ایک سسٹم کام کر رہا ہے جسے میٹابولزم METABOLISM کہتے ہیں یہ نظام نئے سیلز کے قیام اور پرانے سیلز کو ضائع کرنے سے متعلق ہے۔ نئے سیلز بننے کے عمل کو اینابولزم ANABOLISM اور ان کی موت کو کیٹابولزم CATABOLISM کہا جاتا ہے۔

ہمارے جسم میں ہر لمحے لاکھوں نئے سیلز بلا احساس و علم پیدا ہوتے ہیں یعنی ان سیلز سے ہمارا جسم ہر لمحہ تیار ہوتا ہے بالکل اسی طرح سیلز میں تخریب یعنی ٹوٹ پھوٹ کا عمل بھی ہو رہا ہے اور ہر لمحہ لاکھوں سیلز مر رہے ہیں۔ ہر سیل ایک زندگی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے جسم سے اربوں کھربوں سیلز جب ٹوٹتے ہیں تو جسم انہیں مختلف طریقوں سے خارج کر دیتا ہے۔ مثلاً" فضلہ، پیشاب اور پسینہ وغیرہ وغیرہ۔ ان ذرائع کے علاوہ سیلز غیر محسوس طریقے سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً" جلد کے خلیات ہر وقت از خود ضائع ہوتے ہیں اسی لئے مہندی کا رنگ چند روز میں خود بخود اتر جاتا ہے کیونکہ نیچے کے سیلز اوپر والوں کو دھکا دیتے رہتے ہیں یہاں تک کہ جلد کی آخری جھلی سے مردہ سیلز فضا میں اڑ جاتے ہیں۔ آپ جو بنیان صبح کو زیب تن کرتے ہیں اگر شام کو اسے

اتار کر خوردبین کے سامنے رکھ دیا جائے تو اس بنیان کی سطح پر آپ کو ہزاروں مردہ سیلز چپکے ہوئے نظر آئیں گے۔ اب ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا موت کی جس تکلیف کا ذکر کیا جاتا ہے وہ ان ہی سیلز کے ٹوٹنے یا مرنے سے ہوتی ہے؟ سیلز کے اس بائیو کیمیاوی تجزیہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سیلز کے ٹوٹنے سے تکلیف تو کجا اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔ اگر اس بات کو تسلیم کر لیا جائے کہ موت کے وقت سیلز کی ٹوٹ پھوٹ سے سخت تکلیف ہوتی ہے تو اس کا عشر عشیر یا تھوڑی بہت تکلیف کا احساس تو ہمیں اس وقت بھی ہونا چاہئے جب کہ سینکڑوں سیلز ٹوٹ رہے ہیں۔

غیر مادی جسم کیا ہے؟

انسان ہمہ وقت موت و حیات کے دو دائروں میں سفر کرتا رہتا ہے۔ ایک لمحے میں اس پر موت آتی ہے پھر اگلے ہی لمحے وہ زندگی کے دائرے میں داخل ہوتا ہے۔ جسم میں ہونے والی تبدیلیوں اور تغیرات کو اگر کمپیوٹر کی مدد سے دیکھنے کی کوشش کی جائے تو ایسا محسوس ہو گا کہ جسم ہر لمحے پگھل رہا ہے اور تعمیر ہو رہا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ موت و حیات سے تو ہر شخص لحہ بہ لحہ دوچار ہو رہا ہے۔

موت کا مطلب ہرگز نیست و نابود ہونا نہیں ہے بلکہ موت کے بعد انسان کا غیر مادی جسم نکل کا دوسرے مقام پر چلا جاتا ہے۔ NDE اور OBE سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ اب اس غیر مادی جسم کا سراغ لگاتے ہیں۔ اس سلسلے میں قرآن مجید کہتا ہے۔

"اللہ مرنے کے وقت لوگوں کی روحیں قبض کر لیتا ہے۔ جو مرتے نہیں ان کی نیند میں، پھر جن پر موت کا حکم کرتا ہے ان کو روک لیتا ہے اور باقی روحوں کو وقت مقررہ تک کے لئے چھوڑ دیتا ہے۔ جو لوگ تفکر کرتے ہیں ان کے لئے اس میں نشانیاں ہیں"۔ (الزمر)

قرآن مجید کی اس آیت میں انسانوں کا دو طرح سے تذکرہ کیا گیا ہے یعنی "لوگ" اور ان کی "روحیں" اب اگر اسی کلئے کو NDE کے تجربات پہ لاگو کریں تو قریب المرگ افراد کے مادی جسم سے نکلنے والے غیر مادی اور لطیف جسم کو ہم لامحالہ "روح" قرار دیں گے۔ اسی حوالے سے NDE کا ایک خاتون کا مشاہدہ ان ہی کی زبانی بیان کرتے ہیں۔

"یہ میرے آپریشن سے چوتھے روز کی بات ہے کہ مجھے ایک جھٹکا لگا اور میں کئی گھنٹے تک مدہوشی کے عالم میں رہی۔ میں نے محسوس کیا کہ میں اپنے جسم اور روح کے ساتھ بستر پر لیٹی ہوئی

تھی مگر کسی قسم کی کوئی تکلیف نہیں تھی۔ میں نے اپنے سراپے پہ نظر ڈالی۔ میں نے محسوس کیا کہ زخم کے مقام پر درد کی وہ اذیت جو پہلے تھی اب ختم ہو چکی ہے اور میں ہشاش بشاش ہوں۔ پھر میں کسی نامعلوم مقام کی طرف چل پڑی میرا راستہ تاریکی کی طرف تھا مگر میں بالکل خوفزدہ نہیں تھی۔ وہاں مجھے مکمل آرام میسر تھا پھر اچانک منظر بدلا اور مجھے میرے مادی جسم میں دھکیل دیا گیا۔ میں دوبارہ اسی جسمانی اذیت میں ایک مرتبہ پھر مبتلا ہو گئی"۔

ڈاکٹر سید امجد علی کے واقعات "موت کے بعد چند مناظر" کے نام سے جنگ مڈ ویک اسپیشل میں شائع ہو چکے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں۔

"میں نے دو بار موت کے عمل کو محسوس کیا اور موت کے بعد کی زندگی کی جھلک کو دیکھا ہے۔ پہلی مرتبہ اگست 1955ء میں جب پہاڑوں پر پیدل چلنے کے شوقین افراد کی ایک ٹیم کے ساتھ برف پوش درہ "رتی" کو عبور کر کے پاکستان سے آزاد کشمیر میں داخل ہوا تھا۔ 18 اگست کو آبادی سے قریب رات کے قیام کے لئے ایک جگہ کا انتخاب کیا۔ صبح پانچ بجے پہاڑ اپنی جگہ سے سرکا جس سے ایک قریبی دیوار مجھ پر گر پڑی اور میں منوں ٹنوں مٹی تلے دب گیا۔ مجھے اس لمحے ایسا محسوس ہوا کہ میں جسم کے ہر ہر سیل سے پاؤں سے سر کی طرف ہوتا ہوا اپنے مادی وجود سے باہر آ گیا ہوں۔ میرے گرد سراپا نور کئی افراد تھے۔ یہ لوگ ٹیلی پیتھی کے عمل کے ذریعے مجھ سے ہم کلام تھے اور مجھ سے بار بار کہہ رہے تھے کہ "مطمئن رہو، مطمئن رہو" میرے ساتھی گھنٹوں ملبے کے اندر مجھے تلاش کرتے رہے اور یہ سب منظر میں دیکھ رہا تھا۔ جب انہوں نے میرے مادی جسم کے قریب کھدائی کی تو نور سے بنے آدمیوں نے مجھے میرے مادی جسم میں دھکیل دیا اور میرا سانس آنے جانے لگا۔ بعد میں اپنے ساتھیوں کو میں نے بتایا کہ تم یہ یہ باتیں کر رہے تھے تو وہ بڑے حیران ہوئے۔

دوسری بار ایسا ہی واقعہ 23 مارچ 1984ء کو پیش آیا۔ میں ادارہ امراض قلب کراچی میں تھا۔ دوپہر کو مجھے دل کا شدید دورہ پڑا اور مجھے محسوس ہوا کہ میرے دل کی حرکت بند ہونے کو ہے۔ میں نے اپنی رفیقہ حیات سے کہا کہ میں اس دنیا کو خیرباد کہہ رہا ہوں خدا حافظ۔ اس کے بعد اچانک میرے ناخن اور ہونٹ نیلے ہو گئے۔ نبض بند ہو گئی اور گردن ایک طرف ڈھلک گئی۔ مرنے سے قبل میں نے نور سے بنا ہوا ایک فرد اپنے قریب آتے دیکھا جس کے جسم سے چھوتے ہی میرے اپنے جسم سے میری روح نہایت تیزی کے ساتھ پاؤں کی طرف سے شروع ہو کر سر کی طرف سے

نکل گئی اور میں مکمل روشنی کا ایک ہلکا پھلکا سا فرد بن گیا۔ میں اس نور کے آدمی کی رفاقت میں پرسکون تھا۔ میں نے تمام وارڈ اور پھر انتہائی نگہداشت ICU کے کمرے کا جائزہ لیا اور کونے میں کھڑا ہو گیا۔ یہ سب کچھ پلک جھپکنے میں ہوا میں روشنی کے آدمی کے ساتھ ساتھ اپنے مادی جسم کے قریب ہی رہا اور ڈاکٹروں کی کوششوں کو دیکھتا رہا۔ پہلے میرے مادی جسم کے سینے میں انجکشن سے دوائی داخل کی گئی پھر ہاتھوں سے دباؤ اور مالش سے دل کو حرکت میں لانے کی کوشش کی گئی۔ اس کے بعد بجلی کی مشین سے دل کو متحرک کرنے کی کوشش کی گئی مگر دل ٹس سے مس نہ ہوا۔ پھر میرا چہرہ ڈھک دیا گیا۔ میں یہ سارا منظر کونے میں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ میری دائیں جانب نور کا ایک ہالہ "آناً فاناً" بن چکا تھا میں پرسکون حالت میں سرنگ کے اس پار کی روشنیوں سے لطف اندوز ہو رہا تھا جیسے میں اپنے آپ کو ایک نئی دنیا کا فرد محسوس کرنے لگا تھا۔ اور اپنے جسم کے ساتھ کئے جانے والے طبعی عمل سے بھی لاتعلق تھا۔ ہسپتال کے مختلف حصوں سے توانائی کی لہریں اوپر جا رہی تھیں۔ مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگوں کی دعائیں ہیں پھر مجھے ٹیلی پیتھی کے ذریعے پیغام ملا کہ تمہیں واپس جانا ہے' تو مجھے بالکل اچھا نہیں لگا' مگر اس کے علاوہ کوئی چارہ کار نہیں تھا۔ میں ہوا میں تیرتا ہوا دوبارہ اپنے خالی جسم میں حلول کر گیا"۔

اب تک ہم نے موت کا سائیکالوجی سائنسی اور بائیو کیمیاوی نکتہ نظر سے جائزہ لیا ہے۔ اگلے ماہ ہم اس امر پر روشنی ڈالیں گے کہ موت ناقابل برداشت کیفیت ہے یا ابدی سکون؟ اس کے ساتھ ساتھ موت کی مختلف صورتوں مثلاً" طبعی موت' حادثاتی موت' خودکشی اور شہادت کی کیفیات اور تشریح و توجیہہ بیان کریں گے۔

سلسلہ عالیہ توحیدیہ کے اغراض و مقاصد

قبلہ محمد صدیق ڈار توحیدی

برادران کرام! مجھے آپ سے کوئی نئی بات نہیں کہنی ہے۔ باتیں تو بہت ہو چکیں، ہو رہی ہیں اور مسلسل لکھی جا رہی ہیں، لیکن امت مسلمہ کا جو حال اور اقوام عالم میں جو مقام ہے وہ محتاج بیان نہیں ہے۔ امت کا درد رکھنے والے اللہ کے نیک بندے انفرادی اور اجتماعی طور پر اصلاح احوال اور غلبہ دین حق کے لئے اپنی سی کوشش کرتے چلے آ رہے ہیں اور اللہ ان کی جدوجہد کا یقیناً" اجر عطا فرمائے گا۔ اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے لئے عالم اسلام کے کئی نامور مفکرین اور نابغہ روزگار شخصیات نے بڑے جوش ولولہ سے تحریکیں بھی چلائیں جن کی باقیات الصالحات میں سے کئی ایک اب بھی مصروف عمل ہیں۔ ان کی سعی سے عالم اسلام میں بیداری کے کچھ آثار نمودار ہوئے اور یہ توقعات بھی پیدا ہوئیں کہ جلد ہی امت اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گی۔ لیکن یہ آرزوئیں بوجوہ پوری نہیں ہو سکیں اور من حیث المجموع مسلمان جادہ منزل پر گامزن نہیں ہو پائے۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ اللہ کا دین حق ہے اور آخر کار غالب آ کر رہے گا۔ خواہ اس میں کتنا ہی وقت کیوں نہ لگے اس لئے مردان حق اللہ کی رحمت سے کبھی بھی مایوس نہیں ہوتے اور اللہ کے بھروسے پر اپنی صلاحیتوں کو اس راہ پر لگاتے چلے جاتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اللہ کے ایک سچے فقیر اور ولی کامل حضرت خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے روحانی فیض سے اصلاح کا کام سرانجام دینے کے لئے ایک تحریک شروع کی اور اس کا نام سلسلہ عالیہ توحیدیہ رکھا۔ تصوف کے اس نئے سلسلے کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالنے کے لئے مجھے یہی طریقہ بہتر اور زیادہ موثر معلوم ہوتا ہے کہ بانی سلسلہ کے ملفوظات ہی آپ کی خدمت میں اختصار سے پیش کر دوں۔ مجھے امید ہے کہ آپ اس روشن ضمیر اور بزرگ ہستی کے خیالات کو گوش ہوش سے سنیں گے اور انہیں مشعل راہ بنا کر ان کے مرتب کردہ منشور پر دل و جان سے عمل پیرا ہو جائیں گے۔

فقیر کا انداز فکر

بانی سلسلہ عالیہ توحیدیہ اس صدی کے ایک عظیم صوفی اور معلم حکمت تھے۔ مروجہ پیری فقیری کی روش سے ہٹ کر روحانی بزرگی اور سلوک و معرفت کی افادیت کے بارے میں آپ منفرد سوچ رکھتے تھے۔ اپنی شہرہ آفاق کتاب "تعمیر ملت" میں اپنا نکتہ نظر بلکہ اپنی زندگی کا مقصد بیان کرتے

ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ حکمت یعنی تصوف اشرف اور افضل ترین علم ہے۔ اس سے حقیقت الاشیاء معلوم ہو جاتی ہے۔ بڑے بڑے اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ عقل سلیم اور فراست کاملہ پیدا ہوتی ہے۔ روحیں نظر آنے لگتی ہیں۔ رسول اکرم ﷺ اور دوسرے انبیاء عظام علیہم السلام کی زیارت میسر آتی ہے۔ عالم مثال کی سیر اور انوار تجلیات کا نظارہ ہوتا ہے۔ کشف و کرامات کی طاقت حاصل ہو جاتی ہے۔ مادہ پر تصرف حاصل ہو جاتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ خود حضرت احدیت کی معرفت اور حضوری سے انسان مشرف ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک یہ سب کچھ مل جانے کے باوجود بھی اگر کوئی عارف دین و دنیا میں امت محمدیہ ﷺ کی اجتماعی ترقی اور کامیابی کے لئے کچھ نہ کرے تو وہ اپنی ذات کے لئے سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ملت اسلامیہ کے لئے بیکار ہے۔ ملت کو آج ایسے بزرگوں کی ہرگز ضرورت نہیں جو تعویذ گنڈوں اور دم درود سے کچھ مریضوں کو تندرست کر دیں یا چند غریب ان کی دعا سے امیر کبیر بن جائیں۔ یا کچھ لوگ مقدمے جیت جائیں یا چند بے اولادوں کے اولاد پیدا ہو جائے یا کچھ کفار و مشرکین مسلمان ہو کر ملت کی تعداد میں بیکار لوگوں کا اضافہ کر دیں۔ آج کل تو ضرورت ایسے اولیاء کی ہے جو فاسق و فاجر مسلمانوں کو سچا مسلمان اور سچے مسلمانوں کو پکا مومن اور موحد بنا سکیں۔ جو اپنی تعلیم و توجہ سے مسلمانوں میں ایسی فراست و بصیرت پیدا کر سکیں کہ وہ اپنے تمام تفرقے اور اختلافات مٹا کر ایک جان اور ایک قالب کی طرح مربوط و متحد ہو جائیں۔

حق و باطل میں تمیز کر سکیں۔ سستی اور کاہلی چھوڑ کر کام کرنا اور کام کرتے رہنا سیکھیں۔ اللہ اور اس کے رسول کی سچی محبت کا جنون ان کے لئے سرمایہ دانش ہو۔ وہ بقائے ملت کے لئے جان و مال قربان کرنا اپنی زندگی کا مقصد جانیں اور ہر طرف سے منہ موڑ کر اللہ کی طرف کر لیں۔

تصوف کی حقیقت و افادیت

آپ نے 13 اپریل 1962ء کو بہ مقام نوشہرہ ورکاں میں ہونے والے چوتھے سالانہ اجتماع میں خطاب کے دوران اپنے مرشد حضرت مولانا کریم الدین احمدؒ کی تعلیم کا لب لباب بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

"صوفیوں اور فقیروں کی قسمیں تو ہزاروں ہیں لیکن تصوف کی قسمیں صرف دو ہیں۔ ایک

صحوی دوسری سکری۔ صحوی تصوف کے معنی ہیں تصوف بیدار اور سکری تصوف کے معنی ہیں تصوف خفتہ۔ جب تک کسی قوم کے صوفیوں میں تصوف بیدار کارفرما ہوتا ہے۔ وہ قوم برابر ترقی کرتی رہتی ہے۔ اس قوم میں زندگی، خوشی، خوشحالی اور فارغ البالی کا دور دورہ رہتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس قوم کے صوفی یعنی روحانی علماء زندگی کے تمام رازہائے سربستہ اور انسانی فطرت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور یہی تعلیم وہ اپنے مریدوں اور اپنی قوم کو دیتے ہیں۔ تصوف بیدار ایک صوفی میں دانشمندی، فراست اور دانشوری پیدا کرتا ہے۔ ایسے صوفی بین الاقوامی مسائل اور اپنے معاشرے اور قوم کی خوبیوں اور خامیوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوتے ہیں اور آئندہ صدیوں تک آنے والے واقعات اور انقلابات کو اس طرح دیکھتے اور سمجھتے ہیں جیسے روز روشن میں یہ سب ان کی آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ یہ لوگ آئندہ پیش آنے والے واقعات کو کشف سے کم لیکن اپنے علم و فراست سے زیادہ معلوم کرتے ہیں کہ اگر قوم اس پر کاربند رہے تو دوسری قوموں سے کبھی شکست نہیں کھا سکتی۔ اس کو ہرگز زوال نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ دن دونی رات چوگنی ترقی کرتی رہتی ہے۔ آج کل تو ہزار سچے صوفیوں میں سے نو سو ننانوے خفتہ صوفی ہی ہیں۔ ان کو نہ خدا کا پتہ ہے کہ کیا ہے اور اس کی صفات کیسے کام کرتی ہیں۔ نہ اشیاء کی معرفت حاصل ہے۔ نہ انسانی فطرت کی خبر ہے۔ نہ زندگی کے راز سے باخبر ہیں۔ نہ دور حاضرہ کے مسائل سے واقف ہیں۔ ہروقت روحانی کیف و استغراق میں مدہوش و مبتلا "لا اور پلا لا اور پلا" کی تکرار میں کھوئے رہتے ہیں۔ ان کو اپنا ہی پتہ نہیں، دوسروں کی کیا اصلاح کریں گے اور قوم کو سیدھا راستہ کیا بتائیں گے۔ اس میں شک نہیں کہ ان میں بعض بعض میں بڑی روحانی طاقت و قدرت ہوتی ہے۔ وہ مردے زندہ کرسکتے ہیں۔ پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہلا سکتے ہیں لیکن یہ سب بیکار ہے۔ جتنے پیغمبر دنیا میں آئے سب کے سب اپنی قوم کی ہدایت اور خدمت کے لئے آئے تھے۔ ان پیغمبروں کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتیں اور بے پناہ طاقتیں دی تھیں لیکن سبھی نے ان طاقتوں اور صلاحیتوں کو اپنی قوم کی اصلاح اور بہبودی کے لئے صرف کیا۔ کسی ایک نے بھی خود کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس صوفی یا بزرگ میں اس قسم کی طاقتیں ہوں اور وہ ان کو اجتماعی طور پر قومی اصلاح و فلاح کے لئے صرف نہ کرے، خود ہی مزے لوٹتا رہے وہ حضور اکرم ﷺ کا سچا پیروکار نہیں ہے۔ اور یہ لوگ انفرادی طور پر جو کچھ فائدہ دعا یا کرامات کے زور سے پہنچاتے بھی ہیں وہ کوئی خاص قابل قدر چیز نہیں ہے بلکہ اس سے تو قوم کو الٹا نقصان پہنچتا ہے۔ لوگ اللہ کو چھوڑ کر خود انہی

کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔ ان کے مرنے کے بعد ان کی قبریں پوجتے ہیں اور قوم اسلام سے ہٹتے ہٹتے مشرک ہو جاتی ہے۔ اس سے زیادہ نقصان اور کیا ہو گا"۔

آگے چل کر آپ نے ارشاد فرمایا "یہ سب کچھ میں نے آپ کے سامنے محض اس لئے بیان کیا ہے تاکہ آپ کی سمجھ میں آجائے اور آپ کو معلوم ہو جائے کہ تصوف میں میرا رنگ اور عقائد کیا ہیں اور میں آپ لوگوں کو کیا سکھانا اور کیا بنانا چاہتا ہوں۔ اچھی طرح کان کھول کر سن لو کہ میں تم سب کو بیدار بلکہ زندہ صوفی بنانا چاہتا ہوں۔ جو لوگ میری اس تعلیم پر عمل کریں گے، دین و دنیا میں سرخرو ہوں گے اور جو اس سے برگشتہ ہو کر صرف شراب طہور کے نشہ میں بے خودی اور سرمستی کے مزے لوٹتے رہیں گے وہ آخر کار خراب و خوار ہوں گے اور پچھتائیں گے۔ یہ شرابی تصوف قوم کے لئے موت کا پیغام ہے۔ یہ آدمی کو ست، کاہل، بیکار اور نکما بناتا ہے۔ غور تو کرو کہ ایسے صوفی اور چرسی یا بھنگڑی مین کیا فرق ہے؟"

آپ نے اپنے دوسرے خطبے میں تصوف کی تعریف اور تشریح کرتے ہوئے فرمایا "یہ ایک علم ہے جس کا موضوع ہے ان طاقتوں اور ہستیوں کی حقیقت معلوم کرنا جن پر ہمارے دین کی بنیاد قائم ہے اور جن کو بغیر دیکھے اور بغیر ثبوت کے ماننا ہمارا پہلا فرض ہے۔ انہی کے مان لینے کو ایمان بالغیب کہتے ہیں۔ وہ طاقتیں اور ہستیاں ہیں اللہ، فرشتے، الہامی کتب، رسول، قیامت کا دن اور حیات بعد الموت اور جزا و سزا کے سلسلہ میں جنت اور دوزخ۔ اب رہی دوسری بات کہ ہم کو ان باتوں کا علم حاصل کرنے کے لئے کیا کچھ کرنا پڑتا ہے تو وہ چند باتیں ہیں۔ یعنی اول تو انسان کو اپنی زندگی ظاہری اور باطنی دونوں طرح پاکیزہ بنانی پڑتی ہے۔ پھر آپ کو اپنے اخلاق کا تزکیہ کرنا پڑتا ہے۔ یعنی یہ کوشش کرنی پڑتی ہے کہ جتنی اخلاقی برائیاں ہیں وہ سب دور ہوں اور جتنی خوبیاں ہیں وہ سب پیدا ہو جائیں۔ اس کے لئے کچھ ریاضت اور مجاہدہ بھی کرنا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کو شریعت کی پوری پابندی کرنی اور ہر لحاظ سے رسول کریم ﷺ کے نقش قدم پر چلنا پڑتا ہے۔ مدت دراز تک ایسا کرنے کے بعد آہستہ آہستہ بزرگی اور بڑائی پیدا ہوتی ہے اور وہ رفتہ رفتہ انسان کامل ہو جاتا ہے۔ جو لوگ تھوڑی محنت اور تھوڑا عمل کرتے ہیں ان کو تھوڑا سا حصہ مل جاتا ہے اور جو زیادہ کرتے ہیں ان کو زیادہ۔ بد نصیب اور بے وقوف ہیں وہ لوگ جو کچھ بھی نہیں کرتے اور اپنے مرشد کے سر رہتے ہیں کہ ایک نظر میں کامل بنا دو"۔

موجودہ دور میں کئی لوگ ایسے ہیں جو روحانی کیفیت و سرور کو ہی بزرگی کا کمال سمجھ کر نماز

جیسی اہم ترین عبادت ترک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح عملیات کے زور پر پیری مریدی کرنے والے نام نہاد صوفی حضرات خود بھی نماز نہیں پڑھتے اور اپنے ماننے والوں کو بھی منع کرتے ہیں۔ عوام اپنی کم علمی اور جہالت کی بنا پر ان کو بھی بزرگ سمجھ لیتے ہیں اور ان کے جال میں پھنس کر اپنی عزت اور دین و ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ بانی سلسلہ توحیدیہ ؒ نے اپنے چھٹے خطبے میں نماز کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرمایا

''جو لوگ نماز روزے کے پابند اور ذکر باقاعدگی کے ساتھ کرتے ہیں ان کا کیا ہی کہنا ہے۔ ان پر اللہ کا بڑا فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو نماز کا اور زیادہ شوق عطا فرمائے اور ان کی نمازوں کو اپنے تقرب کا ذریعہ بنائے' آمین! لیکن افسوس ہے ان کی حالت پر جو نماز باقاعدہ نہیں پڑھتے یا عرصہ دراز تک ناغہ کر دیتے ہیں ان لوگوں کو طریقت توحیدیہ غور سے پڑھنی چاہئے کہ نماز باقاعدہ پڑھنے سے ہی انسان پکا مسلمان بنتا ہے اور جو پکا مسلمان ہی نہ ہو وہ لاکھ ذکر کرے مومن کس طرح بن سکتا ہے اور درجہ احسان پر کس طرح فائز ہو سکتا ہے''

اعلیٰ روحانی مراتب اور قطع ماسویٰ اللہ

مرشد کا بتایا ہوا اللہ کا ذکر اگر صحیح طریقہ اور باقاعدگی کے ساتھ کیا جائے تو اللہ کے فضل سے چند ماہ کے اندر ہی سالک کا قلب جاگ اٹھتا ہے۔ اس میں اللہ کی محبت کی حرارت اور عشق کا سوز پیدا ہو جاتا ہے۔ اس طرح سالک کیف و سرور اور اطمینان قلب جیسی نایاب دولت سے آشنا ہوتا ہے اور مزید ذوق و شوق کے ساتھ اللہ کی محبت کی راہ پر گامزن ہو جاتا ہے۔ اگر دو تین سال استقامت کے ساتھ تعلیم پر عمل کیا جائے تو سالک کو وہ کچھ حاصل ہو جاتا ہے جو اس کے وہم و خیال میں بھی نہ گزرا تھا۔ اسے یقین کامل ہو جاتا ہے کہ وہ سیدھے راستے پر چل رہا ہے اور ضرور اپنی مراد کو پہنچے گا۔ سلسلہ عالیہ توحیدیہ کی تعلیم میں روحانی لحاظ سے مقصود و مطلوب کشف القبور' کیف و سرور اور کرامات کا حصول نہیں بلکہ ان سب سے کہیں آگے اور آخری منزل اللہ کا دیدار ہے اس بلند مرتبہ تک پہنچنے کے لئے جس قسم کے کردار اور صلاحیت کی ضرورت ہے اس کے بارے میں آپ ؒ کے ارشادات بلند ہمت سالکین کے لئے فکر و عمل کی نئی راہیں کھول دیتے ہیں۔ آپ ؒ فرماتے ہیں۔

''اعلیٰ درجہ کی بزرگی حاصل کرنے اور مراتب اعلیٰ تک پہنچنے یعنی قرب خداوندی حاصل

کرنے کے لئے قطع ماسویٰ اللہ کی صفت بدرجہ کمال پیدا کرنی پڑتی ہے۔ اوسط درجے کا بزرگ بننے کے لئے بھی یہ ضروری ہے مگراس قدر زیادہ نہیں۔ قطع ماسویٰ اللہ کیا ہے؟ یہ کہ سالک کا دلی تعلق اللہ کے سوائے دنیا کی کسی شے مثلاً" بیوی ' بچے ' روپیہ پیسہ ' عیش و عشرت وغیرہ کسی چیز سے سوت کے دھاگے کے برابر بھی قائم نہ رہے۔ لیکن حقوق العباد کماحقہ ' ادا کرنے پڑتے ہیں۔ یہ کام بہت مشکل ہے لیکن کرنے والوں کے لئے کوئی چیز مشکل نہیں۔ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ ہزاروں نے کیا ہے' اب کر رہے ہیں اور آئندہ کریں گے۔ طلب صحیح ہمت بلند اور عمل پیہم کی ضرورت ہے"

(چراغ راہ دسواں خطبہ)

"یہ سب کچھ دس پانچ یا دو چار سال میں نہیں ہو سکتا۔ اس مرتبہ تک پہنچنے کے لئے کافی وقت لگتا ہے۔ ہمارے حلقہ کے جو دوست دو چار سال اللہ اللہ کرنے کے بعد ہی شکایت کرنے لگتے ہیں کہ ابھی تک تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ وہ شاید قرب و عرفان باری تعالیٰ کو مذاق یا دل لگی خیال کرتے ہیں یا کوئی ایسی سستی چیز سمجھتے ہیں جو بازار سے پیسے دے کر خریدی جا سکتی ہے۔ میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اگر تمام عمر محنت اور اللہ اللہ کرنے کے بعد مرتے وقت بھی یہ مرتبہ حاصل ہو جائے تو گھاٹے کا سودا نہیں ہے کیونکہ روح کا خاصہ یہ ہے۔ کہ جس کی محبت میں اس دنیا سے سفر کرتی ہے اسی کے ساتھ اس کا حشر ہوتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ اگر آپ کو اس دنیا میں قرب و عرفان یا لقا باری تعالیٰ حاصل نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد یہ سب چیزیں ضرور حاصل ہو جائیں گی۔ آپ کو سوچنا چاہئے کہ انسان کا ابدی گھر تو وہی ہے۔ اگر وہاں ایک آدمی اللہ کے مقربین میں ہو تو پھر اس کو اور کیا چاہئے"۔ (چراغ راہ چوتھا خطبہ)

"قطع ماسویٰ اللہ کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سالک میں تسلیم و رضا کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے یعنی جو کچھ بھی واقعات اس کو پیش آتے ہیں خواہ اس کی مرضی کے مطابق ہوں یا مخالف وہ پہلے ان پر صبر کرنا سیکھتا ہے اور بعد میں بدترین حالات میں بھی اس کو خوشی حاصل ہونے لگتی ہے۔ یہی تسلیم و رضا کی انتہا اور عبدیت کا مرتبہ ہے حضور اکرم ﷺ کو عبدیت کا مرتبہ بدرجہ کمال حاصل تھا۔ یہی مرتبہ سلوک اور تصوف میں سب سے بلند اور اعلیٰ و افضل ہے۔ تم خود سوچو کہ یہ کیسی بندگی اور کہاں کی عبودیت ہے کہ جب تک اللہ تمہاری مرضی کے مطابق تمہارے کام کرتا رہے یعنی صحت ' دولت ' مسرت اور دوسری نعمتیں جتنی تم چاہو تم کو دیتا رہے۔ اس وقت تک تو تم اس سے خوش رہو ' اس کو یاد کرو۔ اس کا شکر ادا کرو اور جب یہ کام تمہاری مرضی کے مطابق نہ ہوں یعنی

وئی بیماری تم کو یا تمہارے متعلقین کو آن دبائے یا فاقے ہونے لگیں یا دوسرے تفکرات آندھی ور گھٹا کی طرح تم کو گھیر لیں تو تم اللہ سے ناراض ہو جاؤ۔ اس کی عبادت چھوڑ دو اور شکایتیں کرنے لگو۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ تم اللہ کی مرضی کے مطابق رہنا نہیں چاہتے بلکہ اللہ کو اپنی مرضی کے طابق چلانا چاہتے ہو۔ استغفراللہ! ایسے لوگوں کو خدا کا دیدار اور عرفان کبھی نصیب نہیں ہو گا۔ لبتہ جو سالک ان آزمائشوں میں کامیاب ہو جاتے ہیں وہ تقرب، دیدار اور عرفان کی لازوال دولت سے کبھی محروم نہیں رہتے۔ خوب یاد رکھو کہ فقیری بچوں کا کھیل نہیں بلکہ دنیا کی سب سے مشکل ور کٹھن چیز ہے اور بڑی محنت و مشقت اور جان جوکھوں سے ہاتھ آتی ہے۔ یہ منہ کا نوالہ نہیں کہ آج اللہ اللہ شروع کی اور ماہ دو ماہ بعد لگے شکایت کرنے کہ ابھی تک ہم کو اللہ کے حسن لازوال کی ھلک بھی نظر نہیں آئی۔ اس لئے ابتدا ہی سے تم کو یہ سب باتیں ذہن میں رکھ کر اللہ اللہ شروع کرنا چاہیے اور اگر تم اپنے آپ کو ان آزمائشوں کا اہل نہیں پاتے تو پھر یا تو سلوک شروع ہی نہ کرو ا تنی بلندی تک پہنچنے کے خواب نہ دیکھو جہاں اللہ کا دیدار اور قرب میسر آتا ہے۔ بس جو کچھ مل ائے اسی پر اکتفا کرو اور خوش رہو کیونکہ فقر کا تو ایک پیسہ بھی دنیوی دولت کے لاکھوں کروڑوں روپے سے کہیں زیادہ قیمت رکھتا ہے" (طریقت توحیدیہ صفحہ 46 تا 48)

"اب آپ کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جانی چاہئے کہ ذکر کا حسب دلخواہ فائدہ اس قت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا کے تمام تفکرات و آلام کو اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے بے فکر ہو جاؤ کہ جو چھ اس کو کرنا ہے وہی ہو گا اور اسی میں ہمارا فائدہ ہے اور آنے والی مصیبتوں کو کوئی ٹال سکتا ہے تو رف اللہ تعالیٰ ہی ٹال سکتا ہے۔ لہٰذا اسی سے دعا کرو۔ اسی کے آگے روؤ اور اسی سے مانگو جو مانگنا ہے۔ ہرگز کسی زندہ یا مردہ بزرگ سے استعانت نہ چاہو۔ اللہ کا ڈائریکٹ تعلق اپنے ہر بندہ کے اتھ ہے۔ وہ سمیع ہے، بصیر ہے، مجیب الدعوات ہے۔ اگر اس پر بھی تمہاری دعا قبول نہ ہو تو سمجھ کہ جو کچھ تم مانگ رہے ہو خدا اس کو تمہارے لئے اچھا نہیں سمجھتا۔ لہٰذا اپنی مرضی کو اللہ کی رضی کے سپرد کر دو اور جو کچھ بھی ہو، اسی پر خوش رہو، کیا مسلمان ہو کر یا توحیدی بن کر تم نے خدا ے ٹھیکہ کر لیا ہے کہ جب تک وہ تمہاری مرضی کے مطابق کام کرتا رہے اس وقت تک وہ تمہارا را اور تم اس کے بندے ہو اور جب کوئی کام وہ تمہاری مرضی کے خلاف کرے تو پھر کس کا خدا ر کس کی بندگی؟ لاحول ولا قوۃ الا باللہ لعنت ہے ایسی بندگی پر۔

اب آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ مصیبتوں کو خوشی سے برداشت کرنا اور راضی برضائے الٰہی

رہنا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے کس قدر ضروری ہے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل الٹا ہے۔ ہمارے حلقہ والوں کے جو خطوط آتے ہیں ان میں سے اسی فیصد ایسی درخواستیں اور مطالبات ہوتے ہیں کہ گویا میں خود خدا ہوں (نعوذ باللہ) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اختیارات میرے سپرد کر دیئے ہیں۔ کیا میری تعلیم کا یہی اثر ہوا ہے۔ کیا یہ لوگ کسی لحاظ سے بھی توحیدی کہلانے کے مستحق ہیں؟" (چراغ راہ آخری خطبہ)

"تعمیر ملت، طریقت توحیدیہ، خطبوں اور ذاتی خطوں میں میں نے تو بار بار یہی لکھا ہے اور تقریروں میں ہزاروں بار یہی کہا ہے کہ مجھ میں مطلق یہ طاقت نہیں کہ تمہارے بگڑے ہوئے کام بنا سکوں، تمہاری تقدیر بدل سکوں، میں تو خود ایک عاجز انسان ہوں۔ مجھ پر خود ساری عمر مصیبتیں پڑتی رہیں۔ مگر کسی ایک کو بھی دور نہ کر سکا۔ ہاں یہ میں ضرور کر سکتا ہوں۔ کہ تمہارے لئے دعا کروں اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ تمہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے ہدایت کے راستہ کی نشاندہی کر دوں تاکہ اس راستہ پر کچھ عرصہ ثابت قدمی سے چلنے کے بعد خود تمہارے دلوں میں وہ بات پیدا ہو جائے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے لگیں اور جو قبول نہ ہوں ان پر تم کو صبر آ جائے۔ افسوس کہ یہ لوگ اس بات کی قدر ہی نہیں جانتے اور میرا کہا بالکل نہیں مانتے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ مجھ سے تو بیسیوں ایسی باتوں کی فرمائش کی جاتی ہے جن کا پورا کرنا میرے اختیار میں نہیں صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور خود ان دو چار باتوں پر بھی عمل نہیں کرتے جو میں نے انہیں کے فائدے کے لئے ان کو بتائی ہیں اور جن کا کرنا ان کے اختیار میں ہے۔ اللہ ان کو ہدایت دے (آمین) (چراغ راہ چھٹا خطبہ)

اس موضوع کے آخر میں تسلیم و رضا کے بارے میں علامہ اقبالؒ کا ایک نہایت عمدہ شعر لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے:

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا ست
من امینم ایں متاع مصطفیٰ ست

یعنی اللہ کی محبت میں ذوق و شوق کے ساتھ جدوجہد کرتے ہوئے تسلیم و رضا کے شیوہ کو اپنانے کا نام ہی فقر ہے۔ یہی نبی کریم ﷺ کا طریقہ ہے اور اسی فقر محمدی ﷺ کی دولت کا امین ہوں۔

حکیم محمد سعیدؒ کی باتیں

سوال! محترم حکیم صاحب سب سے پہلے اپنی زبانی اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں بتائیں؟

جواب! میرے عظیم نونہالو! میں اپنی ابتدائی زندگی کے بارے میں کیا بتاؤں سخت کھلنڈرا تھا۔ ٹ بال کھیلنا یہاں تک کہ ہندوستان کی سب سے بڑی فٹ بال محمدن سپورٹنگ کلب تک پہنچ گیا۔ کیرم رڈ کھیلا تو انڈیا کا نمبرا بن گیا۔ موٹر سائیکل چلائی تو موت کے گولے تک میں چلائی۔ شطرنج کھیلی تو سندھ کا یمپئن بن گیا۔

پہاڑوں پر چڑھنے کا شوق ہوا تو شملہ سے مسوری پیدل سفر کر ڈالا اور پھر جب پڑھنے پر کمر باندھی تو سال کی عمر میں قرآن حفظ کر لیا۔ 14 سال کی عمر تک عربی اور فارسی پڑھ ڈالی۔ انگریزی بھی پڑھ ڈالی پھر یہ کالج گیا۔ اب عالمی طبیب بن گیا۔ لکھنا شروع کیا تو اب تک سو سے زیادہ کتابیں لکھ ڈالیں۔

سوال! بچپن میں آپ کیسے تھے؟ اور کیا کبھی کسی شرارت پر والد' والدہ یا استاد سے ڈانٹ پڑی تھی؟

جواب! بچپن میں میں بڑا خوبصورت نونہال تھا۔ ہاں شرارت تو میری رگ رگ میں بسی ہوئی ی۔ مگر میری کوئی شرارت پھٹکار پڑنے والی نہیں تھی۔ میری پٹائی بس ایک ہی بار ہوئی وہ بھی کراچی میں 192ء میں حج کو جا رہا تھا شرارتیں کر رہا تھا بڑے بھائی صاحب کو بخار تھا انہوں نے ایک زوردار طمانچہ را۔

پھر ہر شرارت چھوڑ دی۔

سوال! آج کل بچے آپ کو کیسے لگتے ہیں اگر اچھے لگتے ہیں تو کیوں؟

جواب! نونہال تو مجھے سخت پیارے لگتے ہیں میں تو ہر نونہال سے محبت کرتا ہوں۔ بے اختیار کرتا ں۔ میں نونہال کو دیکھتا ہوں اس سے ہاتھ ملانے کو دل چاہتا ہے۔ بعض اوقات تو ایسا بے قابو ہو جاتا ں کہ اپنی موٹر سے اتر کر موٹر سائیکل پر بیٹھے نونہالوں سے جا کر ہاتھ ملا لیتا ہوں۔

سچ بات یہ ہے کہ نونہال اس لئے اچھے لگتے ہیں کہ ان کی محبت سے میری عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے ر مجھے بڑے کام کرنے کے لئے زیادہ موقع مل رہا ہے۔ اور نونہال مجھے اس لئے اچھے لگتے ہیں کہ پاکستان ا ہر نونہال مجھ سے محبت کرتا ہے۔

سوال! یہ ایک فطری بات ہے کہ ہر شخص ہر کام اپنے مفاد کی خاطر کرتا ہے آپ جو بچوں کے لئے کستان کے مختلف شہروں میں ہر ماہ پروگرام کرواتے ہیں اور فلاحی کام کرتے ہیں کیا اس پر آپ کا کوئی مفاد شیدہ ہے یا؟

جواب! ہاں میرا مفاد پوشیدہ ہے میرا مفاد یہ ہے کہ نونہال جب مجھ سے اور میں ان سے محبت کر
ہوں تو ان کا حوصلہ بڑھتا ہے اور میری عمر بڑھتی ہے میری محبت کا ایک راز یہ ہے کہ میں اپنے ان عظ
نونہالوں کو بڑا انسان بنانا چاہتا ہوں۔

سوال! زندگی کا ایسا واقعہ جو آپ کی زندگی میں بڑی اہمیت کا حامل ہو اور آج بھی یاد ہو؟

جواب! دیکھو نونہالو میں اس قدر مصروف رہتا ہوں اور ایسے ایسے کام کرتا ہوں کہ میرا ہر د
ایک زندگی کی اہمیت کا دن ہوتا ہے۔ ہاں زندگی کا ایک ایسا واقعہ بہت زور دار ہے۔ میں خانہ کعبہ میں مقا
ابراہیم پر بیٹھا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس مقام پر کھڑے ہو کر کعبہ تعمیر کرایا تھا میں اسی مقا
ابراہیم پر رات بھر بیٹھا رہا۔ نفل ادا کرتا رہا نفل ادا کرتا رہا وہاں ہی خیال آیا کہ مدینۃ الحکمت بنانا چاہیے۔ بر
یہ واقعہ ایسا ہے کہ مجھے یاد ہے۔ اس مقام سے مجھے ہمت ملی رہنمائی ملی۔ حوصلہ ملا۔ میں یہ لمحات سار
زندگی یاد کرتا رہوں گا۔

سوال! اچھا یہ بتائیں کہ کیا ہمارے جیسے اور بہت سارے بچوں کے لئے آج کل ماحول اچھا ہے؟

جواب! ماحول تو اچھا نہیں ہے مگر مجھ جیسے جنونی انسان رات دن بچوں کے لئے ماحول کو درست
کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اب حالات اور ماحول اچھے ہوں گے۔ ہر نونہال سکول جائے گا انشاءاللہ۔

سوال! کھانے میں آپ کو کیا چیز پسند ہے اور اچھی صحت کے لئے کن چیزوں کی بچوں کو ضرورت
ہوتی ہے اور رہتی ہے؟

جواب! کھانے کے معاملے میں میری کوئی خاص پسند نہیں ہے جو مل جاتا ہے خوشی سے کھالیتا ہوں
میرے نونہالو! میں زندہ رہنے کے لئے کھاتا ہوں کھانے کے لئے زندہ نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ نے پاکستان کو ہر نعمت سے نوازا ہے پھل ہیں، سبزیاں ہیں، ترکاریاں ہیں، گوشت کا سالن
ہے توازن اور اعتدال سے کھائے تو ہر چیز اچھی ہے۔

سوال! ہر شخص کا زندگی کا کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے آپ کی زندگی کا مقصد؟

جواب! میری زندگی کا ایک ہی مقصد ہے۔ وہ ہے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی خدمت کرنا انسانوں کی
خدمت کر کے میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔

سوال! ہر شخص کا کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے؟ آپ کا آئیڈیل کون ہے؟

جواب! میرا آئیڈیل ہر وہ نونہال ہے جو پڑھنے لکھنے سے ذوق شوق رکھتا ہے ہر وہ انسان میرا
آئیڈیل ہے، جو علم کی روشنیاں بکھیرتا رہتا ہے۔

سوال! آپ ہر ماہ پاکستان کے مختلف شہروں میں ہمدرد مطب میں مریضوں کا فری معائنہ کرتے ہیں
آپ مریضوں سے دوسرے حکیموں، ڈاکٹروں کی طرح چار چار سو یا پانچ سو فیس کیوں نہیں لیتے آخر اس
کی وجہ کیا ہے؟

جواب! طب پیشہ نہیں فن ہے فن شریف ہے جس طرح اسلام میں تعلیم دینے کا معاوضہ لینا برا ہے اسی طرح مریض کی خدمت کا صلہ لینا میرے نزدیک اچھا نہیں ہے۔ جب پیسہ ذہن میں آتا ہے تو شفا جاتی رہتی ہے۔

سوال! حکیم صاحب اسکی کیا وجہ ہے کہ آج کل کے دور میں محمد بن قاسم، قائداعظم، علامہ اقبال، مجید نظامی اور حکیم سعید جیسے لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں؟

جواب! نونہالو! پاکستان میں تعلیم کم ہے جو تعلیم ہے وہ غلط ہے استاد طلبہ سے محبت نہیں کرتے اس لئے ہمارا غلط نصاب تعلیم بے مقصد کتابیں اچھے انسان پیدا نہیں کرتیں۔

سوال! اس کی کیا وجہ ہے کہ آج کا بچہ ڈش، وی سی آر کے پروگرام تو بڑے شوق سے دیکھتا ہے مگر کتاب سے اس کا رشتہ ختم ہوتا جا رہا ہے چاہے وہ نصابی ہو یا غیر نصابی کتاب؟

جواب! ہاں یہ مسئلہ ہے اور نہ صرف پاکستان کا ہے بلکہ دنیا کا مسئلہ ہے اب بہت سے ملکوں میں تو والدین نے نونہالوں پہ پابندیاں عائد کر دی ہیں کہ کون سے پروگرام دیکھنے ہیں اور کس وقت تک اس کے نتائج سامنے آئے ہیں۔ میری رائے ہے کہ پاکستان کے والدین کو بھی ایسا ہی کرنا چاہئے کہ وہ اپنے نونہال پروگراموں کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ بنائیں۔

سوال! حکیم صاحب آپ خود بھی استاد ہیں اس کی کیا وجہ ہے کہ آج کا بچہ طالب علم اپنے بڑوں کی عزت اور احترام پہلے کی طرح نہیں کرتا؟

جواب! اس میں والدین اور استاد دونوں نے احتیاط نہیں کی ہے۔ والدین اگر استاد کی عزت کریں تو طلباء بھی ایسا ہی کریں گے اور پھر استاد کو بھی ایسا رویہ اختیار کرنا چاہئے کہ وہ طالب علم کو علم دے رہے ہیں۔

سوال! آپ آج کے بچوں اور نوجوانوں سے کس چیز کے خواہاں ہیں اور ان کو کیسا دیکھنا چاہتے ہیں؟

جواب! میں اپنے نونہالوں کو اور نوجوانوں کو بڑا انسان دیکھنا چاہتا ہوں علم و حکمت میں بڑا اخلاق میں بڑا۔ کردار میں بڑا۔ میں چاہتا ہوں کہ میرے یہ دوست کتابیں کھولیں اور پھر ان کو معلوم ہو جائے گا کہ ترقی کا ہر دروازہ کھل جاتا ہے۔

سوال! حکیم صاحب اگر آپ حکیم نہ ہوتے تو پھر کیا ہوتے یا شروع سے ہی ماں باپ کی خواہش کے مطابق حکمت طب کی طرف آنے کا پروگرام تھا؟

جواب! نونہالو! میں اگر حکیم نہ ہوتا تو یقیناً صحافی ہوتا ارادہ میرا یہی تھا مگر طبابت اور حکمت میرے بڑے عظیم بھائی جناب حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی خواہش تھی۔ وہ میرے بڑے تھے۔ بزرگ تھے، طبیب تھے، عالم تھے میں نے انکی بات مان لی طبیب حکیم تو میں ہو گیا مگر

صحافی بھی ہوں مگر صادق صحافی، آزاد صحافی، حق گو صحافی جابر حکمرانوں کے سامنے صاف بات کہنے کی جرات اور ہمت رکھتا ہوں۔ میرا قلم فروخت نہیں ہوا کرتا۔

سوال! حکیم صاحب گذشتہ سال پاکستان گولڈن جوبلی سال منایا گیا آپ کیا سمجھتے ہیں کہ ہم نے ان پچاس برسوں میں کیا کھویا کیا پایا؟

جواب! ایک بات تو نونہالو یہ ہے کہ جشن ہمیشہ غلام قومیں مناتی ہیں آزاد قومیں منصوبے بناتی ہیں تعمیری کام کرتی ہیں پاکستان نے گولڈن جوبلی پر کروڑوں اربوں روپے خرچ کر دیئے ہیں۔ حاصل کیا ہوا؟ اگر یہی دولت تعلیم پر خرچ کر دیتے تو لاکھ نونہال تعلیم حاصل کر لیتے۔ آزاد قومیں ایسا ہی کرتی ہیں تعمیر کرتی ہیں۔

سوال! کیا آپ سمجھتے ہیں کہ حکومت بچوں کے لئے مثبت کام کر رہی ہے یا نہیں اگر کر رہی ہے تو وہ بچوں کے لئے کافی ہے؟

جواب! حکومت کو نونہالوں کا خیال تو ہے مگر بالکل ناکافی سب سے بڑا خیال کرنا تو یہ ہے کہ پاکستان کا کوئی نونہال تعلیم سے محروم نہ رہے۔ آج تک کروڑوں نونہالوں نے سکول کی شکل تک نہیں دیکھی۔ یہ بہت بڑی بات ہے حکومت کو اس کوتاہی پر غور کرنا چاہئے۔

سوال! حکیم صاحب حکومت آپ کے علاوہ دوسرے لوگوں کے بچوں کے لئے ایسے پروگرام کیوں نہیں کراتے جن سے بچوں کو آگے آنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع ملیں؟

جواب! یہ فرض پاکستان کے دولت مندوں کا بھی ہے کہ وہ اپنی دولت اپنے علاقے کے نونہالوں کی تعلیم اور تربیت پر خرچ کریں۔ خزانوں پر سانپ بن کر بیٹھنا اچھا نہیں ہے۔ دولت کو گردش میں آنا چاہئے تجوریوں میں دولت کو بند نہیں ہونا چاہئے۔

سوال! حکیم صاحب ایک ناشتہ اور ایک کھانا اس بات میں آخر کیا راز پوشیدہ ہے؟

جواب! ایک ناشتہ ایک کھانا اس میں صحت کا راز پوشیدہ ہے۔ انسان کے جسم کو اس سے زیادہ غذا (کیلوریز) کی ضرورت نہیں ہے۔ انسان کو کھانے کے معاملے میں دل پر قابو پانا چاہئے۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے فرمایا کہ چاند اور سورج آب و ہوا سب کام کر رہے ہیں اور اناج پیدا ہو رہا ہے جب نوالہ توڑو تو اسے غفلت سے نہ کھاؤ غور کرو کہ کتنی ضرورت ہے پھر یہ سوچو کہ پاکستان میں کتنے لوگ ہیں جو بھوکے سو جاتے ہیں۔

سوال! آج کل کے دور میں بچے کیا کر سکتے ہیں؟ اور آپ نے کبھی سپیشل بچوں کے لئے کوئی کام کیوں نہیں کیا؟

جواب! میں سپیشل نونہالوں کے لئے اب ایک تربیت گاہ تعمیر کرنے کا ارادہ کر رہا ہوں۔ ہم نے گذشتہ سال معذورین کے لئے عالمی کانفرنس کی۔ اس میں طے کیا کہ معذوروں پر خاص توجہ کرنی چاہئے۔

سوال! حکیم صاحب وہ کیا مراحل ہونے چاہئیں کہ آدمی ایک اچھا مسلمان اور انسان بن جائے؟
جواب! یہ تربیت کی بات ہے اگر والدین اپنے نونہالوں کو تربیت دیں اور ٹیچر اپنے شاگردوں کو تربیت دیں تو وہ ضرور اچھے انسان اور اچھے مسلمان بن جائیں۔ میری ایک رائے یہ بھی ہے کہ ابتدائی تعلیم میں قرآن حکیم کو شروع کرنا چاہیے۔
سوال! آپ کے خیال میں کامیابی قسمت سے ملتی ہے کہ اس کی کوئی اور وجہ ہے؟
جواب! میں محنت کر کے قسمت کو بدل دینے کو صحیح سمجھتا ہوں۔ انسان اگر جدوجہد کرے تو قسمت پیدا ہوتی ہے۔
سوال! انسان کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی آتی جاتی رہتی ہیں آپ کی زندگی میں وہ کونسا خیال ہے جس نے کبھی بھی آپ کو ناامید اور مایوس نہیں ہونے دیا؟
جواب! میں اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہوں۔ میں یقین کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اچھے کاموں کا اچھا بدلہ دنیا ہی میں دے دیتا ہے۔ بس میں نیک نیتی کے ساتھ کام کرتا ہوں۔ خدمت خلق کے جذبے اپنے دل میں رکھتا ہوں اس لئے مایوسی میرے قریب ہی نہیں آتی۔
سوال! آپ کو کس قسم کے لوگ اور بچے پسند ہیں؟
جواب! ہر وہ انسان مجھے پسند ہے جو مسکرائے خوش مزاج ہو تعلیم یافتہ ہو دوسروں سے محبت کرتا ہو۔ محنت کرتا ہو۔ نونہال تو مجھے خواہ مخواہ پسند ہیں اور ہاں اگر نونہال پڑھنے میں دل لگائیں ایک دوسرے سے محبت کریں۔ صاف ستھرے رہیں تو وہ مجھے بے حد پسند ہیں۔
سوال! زمانہ طالب علمی میں آپ کیسے طالب علم تھے؟
جواب! میں بہت زیادہ اچھا طالب علم تو نہیں تھا کہنا چاہیے کہ اچھا خاصہ شریف طالب علم تھا۔
سوال! آج آپ جس مقام پر ہیں اس مقام پر لانے میں سب سے اہم کردار کس کا ہے؟
جواب! بزرگوں کی شفقت اور دعائیں میری رات دن کی محنت ہر انسان سے محبت نفرت سے دل خالی انتقام لینے کا کوئی جذبہ نہیں رکھتا۔ اس محبت و احترام نے مجھے اچھا انسان بنایا ہے۔
سوال! آپ کیا سمجھتے ہیں کہ موجودہ نظام تعلیم ہمارے بچوں کو باکردار اور اچھا انسان بنانے کے لئے کافی ہے؟
جواب! نہیں ہم وہ کتابیں پڑھا رہے ہیں (نصاب کی کتابیں) وہ قابل اطمینان نہیں ہیں۔ کتابیں اچھی نہیں ہیں۔ ان کو اچھا کرنا چاہیے تو پھر تعلیم کا مقصد پورا ہو گا۔ پھر بڑے نونہال پیدا ہوں گے۔
سوال! آپ اب تک بچوں اور بڑوں کے لئے کتنی کتب تحریر کر چکے ہیں؟ اور کیا بچوں کے لئے اب تک جو کچھ لکھا جا رہا ہے یا لکھا جا چکا ہے اس سے مطمئن ہیں اور یہ بچوں کے لئے کافی ہے؟
نونہالو! سچ بات تو یہ ہے کہ مجھے خود صحیح معلوم نہیں ہے۔ شاید نونہالوں کے لئے ایک سو کتابیں تو

ہوں گی۔ علم و ادب سائنس اور طب پر پچاس کتابیں تو ضرور ہیں۔
نونہالوں کے لئے مجھے ایک ہزار کتابیں پوری کرنی ہیں۔ ابھی تو بڑی محنت کرنی ہے۔
سوال! اس کی آخر کیا وجہ ہے کہ سب بڑوں نے بچوں کے لئے پہلے لکھنے کا آغاز کیا اور بعد میں صرف بڑوں کے لئے لکھتے ہیں؟
جواب! میں نے تو بھئی پہلے بڑوں کے لئے لکھا پھر نونہالوں کے لئے اور اب نوجوانوں کے لئے لکھ رہا ہوں۔ دو سال میں نوجوانوں کے لئے سات کتابیں تو تیار ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ پاکستان میں نونہالوں کے لئے لکھنے والوں کی تعداد کم ہے۔ پھر کتابیں چھاپنے والے بھی زیادہ ساتھ نہیں دیتے۔ مگر اب حالات دن بدن اچھے ہو رہے ہیں۔
سوال! آپ اب بھی چاق و چوبند نظر آتے ہیں آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟ کیا یہ خمیروں کا کرشمہ تو نہیں؟
جواب! میری عمر تو بس 20 سال ہے پوچھو کہ کیسے! ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آس پاس بہت سے صحابی تشریف فرما تھے۔ ایک صحابی تھے بہت بوڑھے منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت ان سے کسی نے پوچھا حضرت آپ کی عمر کیا ہوگی انہوں نے فرمایا یہی کوئی 65 سال۔ لوگ حیران حضور نبی کریم ﷺ کے سامنے یہ کیا غلط بات کہہ رہا ہے۔
حضور ﷺ نے محبت سے سوال کیا جناب کیسے آپ کی عمر 65 سال ہو گئی؟ بزرگ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کام کی عمر بس اتنی ہی ہے باقی عمر ضائع ہو گئی!
تو میرے عظیم نونہالوں! کام کی عمر تو بیس سال ہے زیادہ سے زیادہ 25 سال باقی وقت کو سیر و تفریح کرتے سوتے میں گزر گیا۔ میرے نونہالو! اس بات پر غور کرو تاکہ کل پچھتانا نہ پڑے کہ وقت کٹ گیا کام کوئی نہیں ہوا۔
سوال! آخر میں آپ بچوں کے لئے ایسا مفید پیغام دیں جو ساری زندگی ان کے کام آئے؟
جواب! میری والدہ محترمہ نے عین انتقال کے وقت مجھے بلا کر اپنے سامنے محبت سے بٹھا کر نصیحت فرمائی دیکھ سعید! زندگی میں کسی سے انتقام نہ لینا۔
نونہالو! میں نے زندگی میں کسی سے انتقام نہیں لیا جنھوں نے میرے ساتھ برائی کی میں نے ان کے ساتھ اچھائی کی۔ ان کو معاف کر دیا۔
حضرت علیؓ کا قول ہے:۔ معاف کر دینا سب سے بڑا انتقام ہے۔
(مرسلہ: میاں نعیم یوسف "بحوالہ نوائے وقت پھول")

نفس کی حکمرانی

ڈاکٹر طاہر مسعود

اگر کوئی مجھ سے پوچھے کہ دنیا پر کس کی حکمرانی ہے؟ میرا جواب مختصر ہوگا "نفس کی"
یک مشہور قول ہے جس نے اپنے نفس کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا۔ لیکن اس قول
ے بھی نفس کی حقیقت پر روشنی نہیں پڑتی۔ اتنا ضرور معلوم ہو جاتا ہے کہ نفس کا کوئی بہت
گہرا تعلق رب سے بھی ہے۔ اس کے مختلف درجے ہیں۔ ان درجوں میں سب سے اعلیٰ
رجہ وہ ہے جب آدمی کا نفس، نفس مطمنہ میں بدل جائے۔ نفس کی حقیقت کو سمجھے بغیر نہ
نسان کی حقیقت سمجھی جا سکتی ہے اور اس کے لئے اپنی زندگیاں کھپا دینے والے بھی محض
فس کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی وجہ سے آخرکار نفس کے بچھائے ہوئے پھندے میں پھنس
جاتے ہیں اور بظاہر دین کی خدمت کرتے ہوئے بھی وہ فی الحقیقت اپنے نفس کی تسکین میں
لگے رہتے ہیں۔ ان کی دینی جدوجہد بے ثمر رہتی ہے۔ نفس کیا ہے؟ اس بات کو جاننے کے
لئے اس تمثیل پر غور کیجئے۔

ایک آدمی دنیا کے جھمیلوں سے اکتا چکا ہے وہ دل کا سکون چاہتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کسی
طرح اسے اس اضطراب، بے چینی اور کشاکش سے نجات مل جائے، جس نے اس کے وجود
یں طلاطم برپا کر رکھا ہے۔ سکون کی یہی تلاش اسے جا بجا بھٹکاتی پھرتی ہے اور اب وہ اس نتیجے
ر پہنچتا ہے کہ اسے سکون اگر کہیں ملے گا تو وہ صرف خدا کی یاد میں ملے گا۔ چنانچہ اب وہ خدا
کے گھر میں نظر آنے لگے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ ہم لوگوں کی زندگیاں اس لئے
بے سکون ہیں کیونکہ ہم نے اطاعت کی زندگی کو چھوڑ کر بغاوت کی زندگی اختیار کر رکھی ہے
وہ سوچتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بڑا کرم کیا ہے اور اب یہ اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ
دوسروں تک اس حقیقت کو پہنچائے۔ چنانچہ اب وہ اٹھتے بیٹھتے دوسروں کو نصیحتیں کرنے لگتا
ہے اور ایسا کرتے ہوئے کبھی کبھار اس کا لہجہ تلخ اور تند و تیز بھی ہو جاتا ہے لیکن وہ اسے

حمیت دینی سے تعبیر کرتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ واقعی خدا کا ایک مقبول اور برگزیدہ بندہ ہے۔ احادیث سے تو پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے کی پہلی نشانی یہ ہوتی ہے کہ اللہ کے بندے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کرنے اور اتنی بہت سی چیزیں چھوڑنے کے باوجود وہ نعمت کیوں میسر نہیں آئی جو اللہ تعالیٰ کے قرب کی نشانی ہوتی ہے۔

اس سوال پر ہم جتنا زیادہ غور کریں گے اتنی زیادہ ہم پر نفس کی حقیقت کھلتی چلی جائے گی۔ بات صرف اتنی سی ہے کہ اللہ اور اس کے بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب بندے کا نفس ہے۔ کیونکہ یہ نفس ہی ہے جو سب خواہشوں' لذتوں کا منبع ہے۔ عزت' شہرت' دولت' حکومت کی تمنائی یہ نفس ہی ہے جو آدمی کو ان چیزوں کے حصول کے لئے پستی میں گرا دیتا ہے۔ وہ لوگ جو دین کے احکامات پر عمل کرنے کا بیڑا اٹھاتے ہیں مگر تزکیہ نفس پر توجہ نہیں دیتے۔ ان کی دین داری میں نفس کی آمیزش ہو جاتی ہے اور نفس بھیس بدل بدل کر اپنی خواہشوں اور ضرورتوں کی تکمیل میں لگا رہتا ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ کوئی بھی اعلانیہ اپنے آپ کو متقی پارسا اور نیکوکار نہیں کہتا لیکن وہ اپنے رویئے سے اس کا اظہار ضرور کر رہا ہوتا ہے۔ جب ایک متقی آدمی زعم تقویٰ میں کسی دوسرے مسلمان بھائی کی بے عملی یا گمراہی پر اسے مطعون کر رہا ہوتا ہے تو وہ دوسرے لفظوں میں اپنی بڑائی اور پارسائی کا دعویٰ ہی تو کر رہا ہوتا ہے یہ دعوی نفس کے تقاضے سے پیدا ہوتا ہے اور ہر دعویٰ بندے کو اللہ کی نگاہ میں ذلیل کر دیتا ہے۔

رسول مقبول ﷺ نے بے شمار دعاؤں میں ایک دعا اپنی امت کو یہ بھی سکھائی ہے کہ اے اللہ مجھے دوسروں کی نگاہ میں بلند اور اپنی نگاہ میں پست کر دے۔ اس دعا میں نفس کی سب سے مہلک بیماری کا تریاق موجود ہے۔ اور یہ مہلک بیماری وہ ہے جسے حب جاہ کہتے ہیں۔ جب جاہ انسان کی سرشت میں ہے انسان اپنے ہم جنسوں میں ممتاز اور معزز ہونا چاہتا ہے۔ اس میں

ی برائی بھی نہیں۔ لیکن اصل برائی یہ ہے کہ جب دوسرے اس کی عزت کرنے لگتے ہیں وہ سمجھ بیٹھتا ہے کہ واقعی اس میں ایسے اوصاف پیدا ہو گئے ہیں کہ وہ قدر و منزلت کا مستحق گیا ہے۔ جبھی تو دوسرے اس کو قابل قدر سمجھ رہے ہیں۔ یہ خود پسندی کی پہلی سیڑھی ہے تکبر کی آخری سیڑھی تک پہنچاتی ہے۔

اس آخری سیڑھی تک پہنچتے پہنچتے وہ احسن الخالقین کے مرتبے سے نکل کر اسفل سافلین کی گہری کھائی میں گر چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ اس نوبت تک پہنچنے سے بچنے کا ایک ہی ستہ ہے اور وہ ہے خود تحقیری۔ اپنی تحقیر کا مطلب ہے اپنے آپ کو کچھ نہ سمجھنا اور کوئی نی اچھا عمل ہو تو اس فعل کو اپنے آپ سے منسوب کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی توفیق کو ں نیکی کا سبب ٹھہرانا۔ اب یہاں اتنا عرض کر دینے میں بھی کوئی حرج نہیں۔ کہ اپنے نفس کا یہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اقبالؒ جب کہتا ہے کہ تیرا علاج نظر کے سوا کچھ اور ں۔ تو دراصل وہ کسی صاحب نظر کا دامن تھام لینے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

بڑی عجیب سی بات ہے کہ آج کل لوگ اپنے آپ کو غیر مشروط طریقے سے سیاسی روں اور ان سے ملتے جلتے مذہبی رہنماؤں کے حوالے کرنے کے لئے تو تیار ہو جاتے ہیں ن جب ان سے کسی صاحب نظر کی صحبت اختیار کرنے کے لئے کہا جائے تو وہ اسے پیری یدی کہہ کر ٹال جاتے ہیں۔

جب ہم نے کھوٹے سکے کے ڈر سے اصلی سکوں پر پابندی نہیں لگائی تو تصوف کے شعبے ا ایک ڈبہ پیر کی وجہ سے ہم نے صاحبان نظر کو کیوں نظرانداز کر دیا کہ جن صحبت ہمارے سے دنیا کی محبت کو گھٹاتی اور اللہ کی محبت بڑھاتی ہے اور جن کی توجہ سے ہمارے نفس کا یہ ہوتا ہے نفس کی اصلاح و تربیت کی طرف سے بے نیازی ہی کی وجہ سے آج ہر طرف ں کی حکمرانی ہے۔

(بحوالہ نوائے وقت "مرسلہ توقیر انور")

روزے کے آداب

(حافظ محمد یاسین)

(1)۔ روزے کے عظیم اجر اور عظیم فائدوں کو نگاہ میں رکھ کر پورے ذوق و شوق کے ساتھ روزہ رکھنے کا اہتمام کیجئے۔

یہ ایک ایسی عبادت ہے جس کا بدل کوئی دوسری عبادت نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ روزہ ہر امت پر فرض ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے روزے کے اس عظیم مقصد کو یوں بیان فرمایا۔

"جس شخص نے روزہ رکھ کر بھی جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو خدا کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ بھوکا اور پیاسا رہتا ہے"

(2)۔ رمضان کے روزے پورے اہتمام کے ساتھ رکھئے اور کسی شدید بیماری یا عذر شرعی کے بغیر کبھی روزہ نہ چھوڑیئے۔

نبی پاک ﷺ کا ارشاد پاک ہے

"جس شخص نے کسی بیماری یا شرعی عذر کے بغیر رمضان کا ایک روزہ بھی چھوڑا تو عمر بھر روزے رکھنے سے بھی ایک روزے کی تلافی نہ ہو سکے گی"

(3)۔ روزے میں ریاکاری اور دکھاوے سے بچنے کے لئے معمول کے مطابق ہشاش بشاش اور چاق و چوبند اپنے کاموں میں لگے رہیے' اور اپنے انداز و اطوار سے روزے کی کمزوری اور سستی کا اظہار نہ کیجئے حضرت ابو ہریرہؓ کا ارشاد ہے کہ "آدمی جب روزہ رکھے تو چاہیے کہ حسب معمول تیل لگائے کہ اس پر روزے کے اثرات نہ دکھائی دیں۔

(4)۔ روزے میں نہایت اہتمام کے ساتھ ہر برائی سے دور رہنے کی بھرپور کوشش کیجئے اس لئے کہ روزے کا مقصد ہی زندگی کو پاکیزہ بنانا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

رزوہ ڈھال ہے اور جب تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اپنی زبان سے کوئی بے شرمی کی بات نہ نکالے اور نہ شور و ہنگامہ کرے اور اگر کوئی اس سے گالی گلوچ کرنے لگے یا لڑائی پر آمادہ ہو تو اس روزے دار کو سوچنا چاہیے کہ میں تو روزہ دار ہوں' بھلا میں کیسے گالی کا جواب دے سکتا ہوں۔

(5)۔ احادیث میں روزے کا جو عظیم اجر بیان کیا گیا ہے اس کی آرزو کیجئے اور خاص طور پر افطار کے وقت خدا سے دعا کیجئے کہ خدایا میرے روزے کو قبول فرما اور مجھے وہ اجر و ثواب دے جس کا تونے وعدہ کیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے "روزے دار جنت میں ایک مخصوص دروازے سے داخل ہوں گے اس دروازے کا نام ریان ہے جب روزے دار داخل ہو چکیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا پھر کوئی اس دروازے سے نہ جا سکے گا"۔

اور آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قیامت کے روز روزہ سفارش کرے گا اور کہے گا پروردگار میں نے اس شخص کو دن میں کھانے پینے اور دوسری لذتوں سے روکے رکھا خدایا تو اس شخص کے حق میں میری سفارش قبول فرما اور خدا اس کی سفارش کو قبول فرمائے گا۔

نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ افطار کے وقت روزہ دار جو دعا مانگے اس کی دعا قبول کی جاتی ہے رد نہیں کی جاتی۔

(6)۔ روزے کی تکلیفوں کو ہنسی خوشی برداشت کیجئے اور بھوک پیاس کی شدت یا کمزوری کی شکایت کر کے روزے کی ناقدری نہ کیجئے۔

(7)۔ سفر کے دوران یا مرض کی شدت میں روزہ نہ رکھ سکتے ہوں تو چھوڑ دیجئے اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا کیجئے۔ قرآن کریم میں ہے

"جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے"

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں۔ جب ہم لوگ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ رمضان میں سفر پر ہوتے تو کچھ لوگ روزہ رکھتے اور کچھ لوگ نہ رکھتے پھر نہ تو روزہ دار روزہ چھوڑنے والے پر اعتراض کرتا اور نہ روزہ چھوڑنے والا روزے دار پر اعتراض کرتا۔

(8)۔ روزے میں غیبت اور بدنگاہی سے بچنے کا خاص طور پر اہتمام کریں۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے کہ "روزہ دار صبح سے شام تک خدا کی عبادت میں ہے جب تک وہ کسی کی غیبت نہ کرے اور جب وہ کسی کی غیبت کر بیٹھتا ہے تو اس کے روزے میں شگاف پڑ جاتا ہے"

(9)۔ حلال روزی کا اہتمام کیجئے حرام کمائی سے پلنے والے جسم کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی۔ نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے "حرام کی کمائی سے جو بدن پلا ہو وہ جہنم ہی کے لائق ہے"

(10)۔ سحری ضرور کھائیے۔ اس سے روزہ رکھنے میں سہولت ہوگی اور کمزوری اور سستی پیدا نہ ہوگی۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "سحری کھا لیا کرو اس لئے کہ سحری کھانے میں برکت

ہے"

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا "سحری کھانے میں برکت ہے کچھ نہ ہو تو پانی کے چند گھونٹ ہی پی لیا کرو۔ خدا کے فرشتے سحری کھانے والوں پر سلام بھیجتے ہیں" آپ ﷺ کا ارشاد ہے "دوپہر میں تھوڑی دیر آرام کر کے قیام لیل میں سہولت حاصل کرو اور سحری کھا کر دن میں روزے کے لئے قوت حاصل کرو"

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں میں صرف سحری کھانے کا فرق ہے

(11)۔ سورج غروب ہو جانے کے بعد افطار میں تاخیر نہ کیجئے اس لئے کہ روزے کا اصل مقصود فرمانبرداری کا جذبہ پیدا کرنا ہے نہ کہ بھوکا پیاسا رکھنا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "مسلمان اچھی حالت میں رہیں گے جب تک افطار کرنے میں جلدی کریں گے"

(12)۔ افطار کے وقت یہ دعا پڑھئے

اللھم لک صمت وعلی رزقک افطرت

"خدایا میں نے تیرے ہی لئے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق سے افطار کیا"

(13)۔ کسی کے یہاں روزہ افطار کریں تو یہ دعا پڑھئے

افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملئکتہ

"خدا کرے تمہارے یہاں روزے دار روزے افطار کریں اور تمہارا کھانا نیک لوگ کھایا کریں۔ اور فرشتے تمہارے لئے رحمت کی دعا کریں"

(14)۔ روزہ افطار کرانے کا بھی اہتمام کیجئے اس کا بڑا اجر ہے نبی پاک ﷺ کا ارشاد ہے جو شخص رمضان میں کسی کا روزہ کھلوائے تو اس کے صلے میں خدا اس کے گناہ بخش دے گا اور اس کو جہنم کی آگ سے نجات دے گا۔ اور افطار کرانے والے کو روزے دار کے برابر ثواب ملے گا اور روزدار کے ثواب میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ لوگوں نے کہا یارسول اللہ ہم سب کے پاس اتنا کہاں ہے کہ روزے دار کو افطار کرائیں اور اس کو کھانا کھلائیں۔ ارشاد فرمایا۔ صرف ایک کھجور سے یا دودھ اور پانی کے ایک گھونٹ سے افطار کرا دینا بھی کافی ہے۔

(ماخوذ از آسان فقہ)

ڈاکٹر بلوک نورباقی

انسان خسارے میں ہے

ان الانسان لفی خسر O (العصر)

ترجمہ! "انسان درحقیقت خسارے میں ہے"۔ (العصر 103 آیت 2)

اس باب میں ہم قرآن کے معجزات میں سے ایک انتہائی حیران کن اور خوبصورت معجزے کو بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

اس سورۃ کے مجموعی معنی سے ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ جس شخص میں ایمان نہیں ہے اس کے عمل میں راست بازی اور اصلاح نہیں ہوتی اور اس میں صبر اور انصاف کی خوبیاں بھی نہیں ہوتیں۔ اس طرح وہ خسارے میں ہوتا ہے۔ یعنی وہ مایوسی، محرومی، بدنصیبی، شکستہ حالی اور حیرانی کا شکار ہوتا ہے۔

قرآن کے اس عظیم الشان فیصلے کی تشریح سے قبل میں ماہرین علم نفسیات اور طبی نفسیات کے ان بیانات کا مختصرا" ذکر کروں گا جن کا مقصد خودی (نفس) کی تشریح کرنا ہے۔

فرائیڈ (FREUD) کے نظریات کے زیر اثر کئی سالوں تک جذبات کو انسانی رویوں اور اخلاقیات کی حتمی بنیاد سمجھا جاتا تھا۔ مگر پچھلے 25 پچیس سالوں میں یہ متفقہ طور پر مان لیا گیا ہے کہ انسان میں سب سے زیادہ اثر پذیر جذبہ خوف ہے۔ انسانی وجود میں خوف کا عنصر اس قدر اہمیت رکھتا ہے کہ بہت سی حیاتیاتی علتیں اور خرابیاں یقینی طور پر خوف یا خود سے متعلق مغالطوں سے پیدا ہوتی ہیں۔

اس کا مشاہدہ بطور خاص بچے کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے جیسا کہ ہر کوئی جانتا ہے ایک شہری عورت بڑی تکلیف سے بچہ جنتی ہے بمقابلہ ایک دیہاتی عورت کے۔ شہری عورت کو بچے کی پیدائش کے دوران نسبتا" زیادہ قسم کے مسائل درپیش ہوتے ہیں۔ اس سلسلے میں اسے کئی قسم کی دوائیں استعمال کرنا پڑتی ہیں۔ جب کہ دیہاتی علاقوں کی عورتوں کے اس قسم کے مسائل نسبتا" کم ہوتے ہیں اس لئے کہ ان کو زیادہ ورزش ملتی رہتی ہے۔

پچھلی دہائی کے دوران یہ معلوم ہوا ہے کہ جوں جوں پیدائش کا عمل آگے بڑھتا ہے ماں اور بچے کے درمیان ایک کمپیوٹر جیسا طریقہ عمل واقع ہوتا ہے۔ بچے کی پیدائش کے وقت ماں اور بچہ جیسے ایک

کمپیوٹر سینٹر سے ہدایت حاصل کرتے ہیں بالکل اس طرح جیسے ایک ہوائی جہاز اترتے وقت آٹو میٹک پائیلٹ سے مدد لیتا ہے۔ وہ غلطی جو اس نظام میں رخنہ ڈالتی ہے وہ خوف ہی کا جذبہ ہے۔ چونکہ شہری عورتیں دیہاتی عورتوں کی نسبت زیادہ بزدل ہوتی ہیں ان کے لئے بچہ جننے کا عمل بھی زیادہ مشکل ہوتا ہے اور ان کے لئے کئی قسم کے مسائل پیدا ہوتے ہیں۔

روز مرہ زندگی کے نکتہ نظر سے یہ مثال زیادہ بصیرت عطا کرتی ہے۔ اگر ہم تمام پیش آنے والے واقعات کو ذرا کھلے دل اور بے فکری سے نہ لیں تو ہم مستقبل کے بارے میں فکر اور ڈر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ یہ جذبہ افراتفری پھیلاتا ہے اور اندرونی افراتفری ہی دکھ اور مصیبت کا باعث ہوتی ہے۔

اللہ پر ایمان نہ رکھنے والے شخص کے لئے دو شدید خوف ہوتے ہیں۔ ان میں سے پہلا خوف، موت اور تباہی کا ڈر ہوتا ہے اور دوسرا خوف مستقبل کے اندیشے کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کو ان دونوں خوفوں نے جکڑ رکھا ہوتا ہے اور ایک قسم کی ناقابل برداشت آگ میں ڈال رکھا ہوتا ہے ان خوفوں کی وجہ سے کئی قسم کے نفسیاتی دباؤ پیدا ہوتے ہیں اور ساتھ ہی مختلف قسم کی جسمانی بیماریاں مثلاً "معدے کے السر (پھوڑے) دل کی شریانوں کا تشنج، فالج اور یہاں تک کہ سرطان (کینسر) وغیرہ بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ اس قسم کے انسان کے اندر ایسی افراتفری پیدا ہوتی ہے کہ اس کا حوصلہ بیٹھ جاتا ہے اور وہ دکھ اور درد کے جلتے ہوئے کڑھاؤ میں متواتر جلتا ہی رہتا ہے۔

موت اور مستقبل کے خوف کا شکار ایک انسان کیا کرتا ہے؟ وہ یا تو شدید قسم کی شراب خوری کا شکار ہو جاتا ہے یا پھر منشیات (بالخصوص ہیروئن) اس کی زندگی کو اپنے شکنجے میں جکڑ لیتی ہے اس طرح یا تو وہ اپنے اصولوں اور اخلاق کو لگڑ بگڑ جیسی فطرت والی بے رحم ہوس پرستی کے حوالے کر دیتا ہے یا پھر وہ پاگل پن کی سرحدوں کے نزدیک دیوانگی کی حالت میں بھٹکتا رہتا ہے۔

خوف کے جذبہ کے برعکس، بھروسے یا اعتبار کا جذبہ ہوتا ہے ان محسوسات کی جلا اور ترقی ایمان کی منزل بلاواسطہ مطابقت رکھتی ہے۔ ایک کافر انسان بھروسے کی نقلی اور حقیقت سے دور محسوسات کی پیروی کرتا ہے۔ خوف سے بچنے کے لئے وہ مال و دولت کا پیچھا کرتا ہے چونکہ اس کی یہ عادت اسے کسی اور چیز پر بھی اعتبار نہیں کرنے دیتی اور چونکہ یہ روگ اس کے تحت الشعور میں نقش ہو جاتا ہے اس لئے وہ ہمیشہ کے لئے خسارے کا شکار ہوتا ہے۔ اعتبار اور بھروسہ سے عاری انسان کا فرار اسے شراب، ہیروئن،

ظلم اور پاگل پن والے خیالات میں پناہ ڈھونڈنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر ان سے بھی اس کا کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اس سے اس کا خسارا اور بڑھ جاتا ہے۔ یہی وہ بنیادی استدلال ہے جس کی وجہ سے اسلام شراب نوشی کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ ایک سمجھ دار اہل ایمان شخص کے لئے شراب میں سکون ڈھونڈنا عبث بلکہ پاگل پن ہے جب کہ ایک ملحد شخص ہی اپنے خسارے کی آگ کو شراب میں ڈبونے کی کوشش کرتا ہے اور ناکام رہتا ہے۔

دوسرا اہم جذبہ جو انسانی طرز عمل پر اثر انداز ہوتا ہے وہ نفرت اور کینہ پرور حسد کا جذبہ ہے۔ اسے لالچ اور نفرت کی وجہ سے اچھے اخلاق اور مخلص عمل کی برکات و فیوض کبھی حاصل نہیں ہو سکتیں۔ سورۃ العصر کی آیت نمبر3 میں اس حکم کے ذریعہ ایک عظیم معجزاتی دانائی بیان کی گئی ہے یعنی ''سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لائے' اور نیک کرتے رہے۔'' کے فرمان کے ذریعے چودہ صدیاں قبل ہی اس حقیقت کو بیان کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ جو کوئی بھی ایمان نہیں لاتا' اس کو خوف تباہ کر دیتا ہے۔ اور جس کا عمل صالح نہیں ہوتا اور جس میں ایمان پر مبنی ایمانداری نہیں ہوتی اس کے لئے نفرت اور لالچ کے جذبے کے ذریعے تباہی ہی ہے۔

حالیہ سالوں میں بے حد اہم سائنسی مشاہدات میں سے ایک وہ نظام ہے جس کے تحت انسانی جسم میں جذباتی رد عمل کو ایک کمپیوٹر میں درج یا ریکارڈ کیا جاتا ہے۔ انسانی جسم میں ہائپو تھلمک (HYPOTHALMIC) حصہ (جو دماغ کے نیچے واقع ہوتا ہے) اور متعلقہ افعالیس اجزاء کے نظام (EVGETATIVE SYSTEM) کے درمیان تعلق کو تیس سال قبل ہی دریافت کر لیا گیا تھا۔ مگر اس امر کی تفصیل معلوم نہیں ہو سکی تھی کہ جذبات کس طرح انسان کے مادی اور اخلاقی نظام پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ حالیہ سالوں میں مزید تجربات نے واضح کر دیا ہے کہ ذہنی دباؤ انسانی جسم پر کس طریقے سے اثر انداز ہوتا ہے۔ ان کے نتائج کا خلاصہ ہم ذیل میں بیان کرتے ہیں۔

انسان کا جذباتی اور مادی یعنی جسمانی ساخت کا نظام بڑی حد تک ہارمون (HORMONES) اور ہارمون پیدا کرنے والے غدودوں (ENDOCRINE) کے نظام سے منسلک ہے۔ بہت سے اہم عمل، جیسے خون کی شریانوں کے چوڑا ہونے سے لے کر بھوک تک کا عمل اس اینڈو کرائن کے نظام سے اثر پذیر ہوتے ہیں۔ یہ نظام اندرونی رطوبت والے غدودوں پر مشتمل ہوتا ہے جو جسم میں بہت سی سرگزشتوں' جیسے جلد کی مضبوطی اور تازگی سے لے کر محافظ نظام (IMMUNE SYSTEM) تک پر اثر انداز ہوتا ہے

اور یہ غدود خود اپنی جگہ پیچوٹری غدود(PITUITARY GLAND) جو دماغ کے نچلے حصہ سے منسلک ہوتے ہیں' کی مرکزی اتھارٹی کے حکم سے منظم ہوتے ہیں۔ اس غدود کی ایک شاخ پر ایک خاص قسم کی جھلی لپٹی ہوئی ہے جس میں دماغ سے آنے والی ایک نس بھی ہوتی ہے۔ یہ جھلی جس نے دماغ کو لپٹا ہوتا ہے۔ پیچوٹری کے پیندے پر ایک طرح سے سینے کا پردہ جیسا(DIAPHRAGM) بناتی ہے۔ اگر یہ گھٹتی یا سمٹتی ہے تو یہ شریانوں کو بھی سکیڑتی ہے ار پیچوٹری گلینڈ سے رس کر جسم میں آنے والے ہارمونوں کا بہاؤ کم ہو جاتا ہے۔

اس کی بہترین مثال برا نگیختگی سے پیدا ہونے والی' نامردی یا ضعف (IMPOTENCY) ہے اگر یہ جھلی پھیلتی ہے تو پیچوٹری نسیں بھی کھل جاتی ہیں اور ہار مونز آزادی سے بہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کی بہترین مثال بلند ہمتی کے ذریعے بیماری سے شفا پانا ہے جیسے ہی پیچوٹری (piturary) زیادہ رطوبت خارج کرتی ہے۔ تھائیمس گلینڈ (THYMUS GLAND) (جو گردن کے علاقے میں ہوتا ہے) میں سے حفاظت بخش رطوبت کا اخراج بھی بڑھ جاتا ہے اور جسم کی قوت مدافعت بڑھ جاتی ہے مزید یہ کہ ضابطے میں لانے والا یہ نظام خود بھی ہائپو تھلمس میں بافت کے خلیے کے اندرونی اہم مرکز (NUCLEUS) کے زیر اہتمام ہوتا ہے اور یہ مرکز مکمل طور پر جذبات جیسے مثال کے طور پر نفرت' لالچ اور خوف' ہائپو تھلمس کے اس مرکز کے ذریعے ہارمون بنانے والے غدودوں کے نظام میں رکاوٹ ڈالتے ہیں جب کہ اس کے برعکس محبت اور بھروسہ کے جذبات اس مرکز کو اس کے اس کام میں اہم مدد دیتے ہیں جس کے ذریعے وہ ہارمونی نظام کو زیادہ روشن اور بہتر کارکردگی سے چلاتا ہے۔

کیا آپ نے اس سائنسی مشاہدے کے عظیم الشان اشارے اور مقصد پر غور کیا ہے؟

جی ہاں! اللہ نے انسانی جسم کے شاندار نظام کو اس طرح بنایا ہے کہ یہ ایمان اور اخلاقی عمل کے قوانین کے ساتھ ربط و ضبط رکھ کر چلے۔ زیادہ واضح طور پر کہا جاسکتا ہے کہ انسانی حیاتیات ایک حیران کن کمپیوٹری نظام ہے اور اس نظام کے پروگرام کے بنیادی اصول 'ایمان اور اخلاق سے مطابقت رکھتے ہیں۔

جب ایک انسان کے ملحدانہ جذبات' خوف کی بنیاد پر پیدا ہونے والی نفرت اور لالچ سے بھر جاتے ہیں تو وہ اپنے اس انتہائی اہم نظام کو بالکل الٹا پیچھے کی طرف ریورس گیئر (REVERSE GEAR) میں چلانا شروع کر دیتا ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو سورۃ العصر کی دوسری آیت مبارکہ ہمیں بتا رہی ہے۔ ہمارا عظیم خالق ہمیں یہ بتا رہا ہے کہ "اے انسانو! میں نے تمہیں اس طرح پروگرام کیا ہے کہ تم میں ایمان اور

دیگر خوبیاں ہوں۔ لیکن اگر تم اس کے برخلاف عمل کرتے ہو تو پھر تم خسارے میں ہو۔" اس خالق نے ہامون پیدا کرنے والے غدودوں کے نظام کو ایسا کمپیوٹری نظام عطا کیا ہے جو ہائپو تھلمس سے لے کر پیچوٹری کی شاخ (STEM) اور ان کی جھلی کی صورت میں ایک طرح کے سرکٹ کا حامل ہے۔ چنانچہ اگر ہم اپنی زندگی رب العظیم سے محبت اور اس پر بھروسے کے جذبات کے ساتھ گزاریں تو یہ سرکٹ صحت مندانہ طریقے پر کام کریں گے۔ خون کی شریانیں کھلی اور صاف رہیں گی۔ اعضاء اور پٹھوں کو ان کی پوری خوراک ملتی رہے گی۔ جسم کا حفاظتی نظام (IMMUNE SYSTEM) پوری تندہی سے چلتا رہے گا اور اعصابی نظام سکون اور خوشی کے ذریعے مکمل ہم آہنگی کا مظہر ہو گا۔

لیکن اس کے برعکس اگر آپ مختلف قسم کے خوف، پریشانیوں، نفرت اور لالچ میں مبتلا ہیں تو آپ انتہائی بدقسمت ہیں اور آپ خسارے میں ہیں نہ تو شراب نہ ہی ہیروئن نہ ہی بے لگام جذبات، نہ ہی کوئی اور پاگل پن آپ کو اس بے یقینی اور مصیبت سے نکال سکتا ہے جس میں آپ گرفتار ہیں۔

انسانی حیاتیات لادینی کے انتشار کو رد کر دیتی ہے اور قرآن میں جس کی آیات کے حسن کی حد کو کوئی بھی پوری طرح یا مکمل طور پر نہیں دیکھ سکتا، اس رب نے چودہ صدیاں قبل ہی ایسا عظیم پیغام عطا کیا ہے کہ جو تصور سے بھی باہر ہے۔ کفر اور لادینی ہی خسارہ ہے اور ایک اندھی گلی کا راستہ ہے ایمان کی طرف۔ آیئے خوبی (اچھے اعمال) کی طرف آیئے اور اس طرح صبر و سکون کا راستہ ضرور مل جائے گا۔

"اے انسان! تو خسارے میں ہے۔ تو بند گلی کے اندھیرے میں بھٹک رہا ہے۔ اس کا اعلان ایمان، اخلاق اور سچ پر عمل اور توکل ہے۔

یہ کیا ہی خوب ہوتا کہ سکون دل اور دل بستگی کا سامان کسی دوا کی دکان سے مل جاتا جہاں اس کو خریدنے کے لئے لوگ جوق در جوق جاتے لیکن بد قسمتی سے ایسا نہیں ہے۔ اس کا نسخہ اور اس کی دوا صرف اور صرف اسلام ہی کے دواخانے میں ہے۔

جو کوئی بھی اس کا احساس کرے گا کہ وہ محرومی کی آگ میں جل رہا ہے اور اسے کوئی راہ دکھائی نہیں دے رہی، تو وہ ایک دن اس اعلان یعنی اسلام کی طرف ضرور رجوع کرے گا۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ اسلام کے دواخانے میں موجود ہوتے ہوئے بھی ہم میں سے بہت سارے علاج کے لئے کسی اور طرف کا رخ کر لیتے ہیں۔

ویدوں سے ثابت

مولانا شمس نوید صاحب عثمانی

عرب و ہند کبھی ایک تھے

عرب و ہندوستان کے درمیان ہزاروں صفحات پر پھیلی ہوئی ایک طویل کہانی کے یہ کچھ درمیانی حصے تھے۔ جو آپ کی نظر سے گذرے کہیں کہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک ہی کمپیوٹر مشین کے دو حصے ہیں جن کا ایک دوسرے سے مسلسل رابطہ ناگزیر ہے جیسے کبھی کبھی دو جڑواں بھائیوں کے درمیان ٹیلی پیتھی کی دماغی لہروں کا تعلق قائم رہتا ہے۔ چاہے وہ ایک دوسرے سے سینکڑوں، ہزاروں میل دور ہوں۔ اس احساس کے بعد یہ جان کر حیرت بالکل نہیں ہو گی کہ کبھی دونوں ملک جغرافیائی اعتبار سے بھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بلکہ ایک دوسرے میں پیوست تھے۔ وقت کے طویل سلسلے میں جو تغیرات رونما ہوئے ان میں یہ دونوں ملک بھی ایک دوسرے سے جدا ہوئے۔

علم طبقات الارض کے ماہرین کی جدید تحقیقات کے مطابق دنیا کے یہ تمام براعظم ساکن نہیں بلکہ مسلسل حرکت کر رہے ہیں۔ بیس کروڑ سال پہلے زمین کے تمام خشکی کے حصے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ اس خشکی کے خطے کے چاروں طرف سمندر تھا۔ مختلف براعظم اس عظیم خطہ زمین سے ٹوٹ ٹوٹ کر تیرتے ہوئے آج موجودہ شکل میں آپہنچے ہیں اور اب بھی حرکت پذیر ہیں۔ اس موضوع پر رونلڈ شیلر کے لکھے ہوئے مضمون "زمین کے براعظم بہہ رہے ہیں" CONTINENTS ARE ADRIFT EARTHS سے چند اقتباسات ہم پیش کر رہے ہیں۔ یہ مضمون ریڈرز ڈائجسٹ جولائی 1971ء کے انگریزی شمارہ میں چھپا تھا۔

"دنیا کے چار ارب ساٹھ کروڑ سالہ علم طبقات الارض کی تاریخ میں سمندر ایک اکارڈین باجے کی طرح پھیلتے اور سکڑتے رہے ہیں اور براعظم طوفانی سمندر میں ایک پرانے جہاز کی مانند ڈولتے رہے ہیں...... یقیناً" اس معمے کے کچھ حصے ابھی غائب ہیں اور تمام تفصیلات پر سائنسداں متفق نہیں ہو پائے ہیں۔ لیکن ایک عمومی خاکے پر سائنسدانوں کی اکثریت اس حیثیت سے اتفاق کر چکی ہے کہ یہ اب صرف ایک نظریہ نہیں رہا بلکہ اسے سائنٹفک سچائی تسلیم کر لیا گیا ہے۔ سمندری علوم کے ماہر سائنس داں مورس

ایونگ کے الفاظ میں یہ تحقیق سائنس اور نسل انسانی کے لئے اتنی اہم ہے جتنی کہ سائنس داں آئن سٹائن کے حرکت اور قوت کے اصول......

زمین کے تمام براعظم آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ بیس کروڑ سال پہلے یہ زبردست براعظم ٹوٹنا شروع ہوا یہاں تک کہ آج کی موجودہ شکل یعنی سات براعظم اور مختلف جزائر وجود میں آ گئے۔

..... یہ تمام براعظم ایک زبردست طاقت کے ذریعہ جس کا مرکز نامعلوم ہے مختلف سمتوں میں بہہ رہے ہیں اور ان کی رفتار ایک سینٹی میٹر سے پندرہ سینٹی میٹر سالانہ ہے جو کہ علم طبقات کی رو سے ایک زبردست رفتار ہے..... مثلاً" سائنسدانوں کو یہ معلوم ہوا کہ بحر اوقیانوس کی چوڑائی بڑھ رہی ہے یورپ اور شمالی امریکہ ایک دوسرے سے اڑھائی سینٹی میٹر سالانہ کی رفتار سے دور ہوتے جا رہے ہیں-----۔ سمندر کے فرش کی حرکت کی رفتار کا حساب لگانے کے بعد سائنسدان یہ معلوم کر سکے ہیں کہ خشکی کے تمام براعظم پہلے کس شکل میں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے تھے۔ سب سے پہلے ایک زبردست مشرق مغرب دراڑ پیدا ہوئی جس کی وجہ سے افریقہ اور جنوبی امریکہ جدا ہوئے۔ انٹارکٹکا اور آسٹریلیا علیحدہ ہوئے اور ہندوستان آزاد ہو کر شمال کی طرف بہنا شروع ہوا بیس کروڑ سال میں زمین نے موجودہ شکل اختیار کی..... سب سے حیرت انگیز کیس ہندوستان کا ہے۔ جس نے افریقہ اور انٹارکٹکا سے ٹوٹنے کے بعد شمال کی طرف آٹھ ہزار آٹھ سو کلومیٹر کا فاصلہ اٹھارہ سال میں طے کیا اور ایشیا کے پیٹ میں اس قوت سے داخل ہوا کہ اس کے آگے کی زمین ہمالیہ پہاڑ کی شکل میں اونچی اٹھ آئی.....موجودہ سمتوں میں موجودہ رفتار سے زمین کے ٹکڑوں کا بہنا جاری رہا تو ہمالیہ ابھی اور اونچا ہو گا اور پھر ہندوستان گھستے رہنے سے تھک کر مشرق کی طرف بہنا شروع کر دے گا۔ ہندوستان پہلے موجودہ براعظم افریقہ میں جڑا ہوا تھا۔ ہندوستان کے الگ ہونے کے بعد کروڑوں سال کی تبدیلیوں کے بعد اس جگہ نے موجودہ عرب کی شکل اختیار کی۔

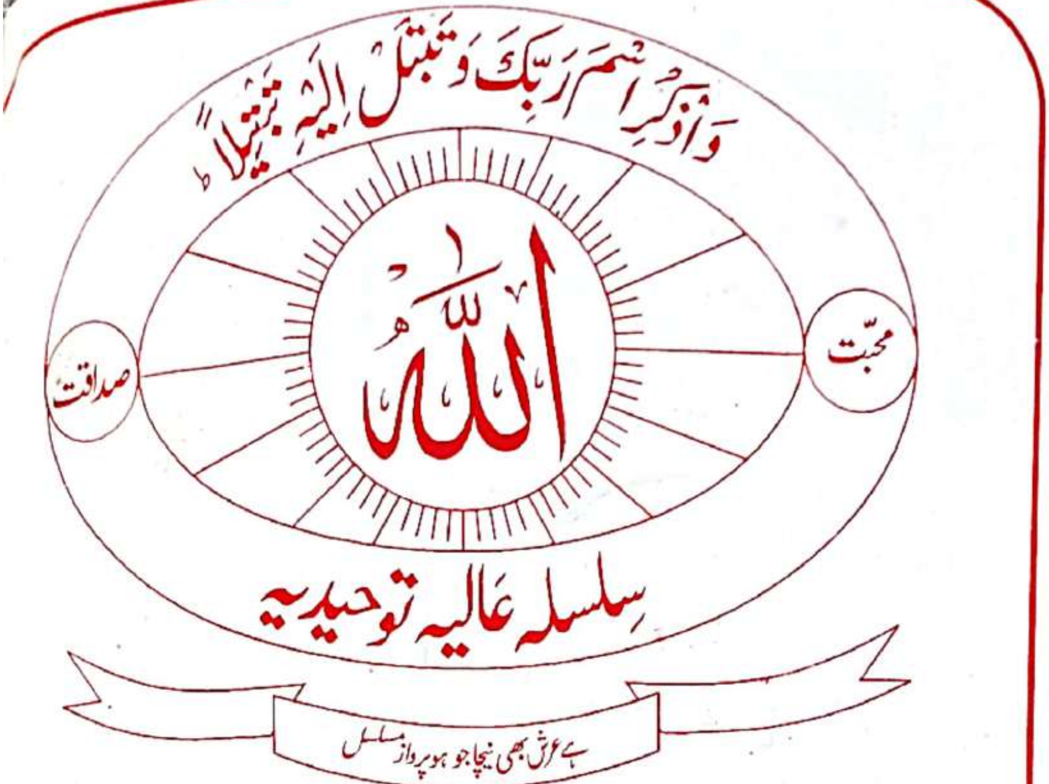
پرانا تصور یہ تھا کہ زندگی صرف انسان' جانوروں اور چند نظر نہ آنے والی مخلوقات میں ہے باقی تمام چیزیں بے جان ہیں پھر سائنس نے نباتات یعنی پیڑوں پودوں میں زندگی کا ہونا ثابت کیا اور آج سائنس یہ بتاتی ہے کہ ہر شے میں زندگی ہے جمادات یعنی مٹی پتھر وغیرہ میں بھی زندگی ہے یہاں تک کہ ان میں احساسات و جذبات بھی ہوتے ہیں (یہی قرآن سے ثابت ہے لیکن فی الوقت یہ ہمارا موضوع نہیں ہے) دنیا کی ہر شے میں زندگی ہونے کے باوجود خالص مادی نقطہ نظر سے سوچنے والے ہماری یہ بات نہیں سمجھ سکیں گے کہ دنیا کی تمام اشیاء میں آپسی تعلقات یا دوریاں بھی ہیں۔ ان دیکھی طاقت کی رہنمائی میں مختلف اصولوں اور ضابطوں میں بندھے ہوئے مختلف اشیا میں آپس میں محبت اور نفرت کے تعلقات بھی ہیں کیا

تعجب ہے کہ عرب کی سرزمین سے ہندوستان کے جغرافیائی اعتبار سے جدا ہونے کے بعد بھی ان کے درمیان ایسے تعلقات کی مقناطیسی اور ریڈیائی لہریں قائم ہوں جن کی وجہ سے ان ممالک میں ماضی میں بھی گہرے روحانی رابطے رہے ہیں اور مستقبل میں بھی ظاہر ہوتے رہیں گے۔

ڈھول کی تہوں پر نئی پالش نہیں چڑھے گی

مدبر کائنات کے نظم تدبر پر جس گوشے سے بھی نظر ڈالیں حسن تدبر پر عقل حیران رہ جاتی ہے۔ کروڑوں سال پہلے زمین کے دو ٹکڑے جو ایک دوسرے سے متصل تھے جدا ہوتے ہیں۔ پھر ایک ٹکڑے پر دنیا کا مرد قدم رکھتا ہے اور دوسرے ٹکڑے پر جنت سے اس کی بیوی کو اتارا جاتا ہے (روایات کے مطابق حضرت حوا کو جدہ میں اتارا گیا تھا) اس طرح دنیا میں بسنے والی نسل انسانی کی ابتدا ہی سے ان دونوں خطوں کے درمیان رابطوں کی شروعات ہوتی ہے ایک خطے کا نام ہندوستان اور دوسرے کا نام سرزمین عرب ہے۔ طوفان نوح ایک ٹکڑے سے شروع ہوتا ہے اور یہاں سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی چل کر دوسرے ٹکڑے پر سیلاب کے بعد رکتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام پھر اسی طرف واپس لوٹتے ہیں۔

ہندوستان کی مختلف نسلوں کے باشندے ہر دور میں عرب کے مختلف حصوں میں پائے جاتے ہیں ایک حصے میں مبعوث ہونے والے انبیاء بھی دوسرے حصے سے اپنا تعلق قائم رکھتے ہیں۔ پھر عرب میں نبی آخر الزماں ﷺ کا ظہور ہوتا ہے۔ ایک ایسی قوم جو تبدیل ہونے سے پہلے عقائد کی گمراہی کے اعتبار سے دنیا کی منفرد ترین قوم تھی۔ وہ خود بدلی اور دنیا کے ایک بڑے حصے کو بدل کر امت محمدی میں شامل کیا اور اب چودہ سو سال بعد ہندوستانی قوم جو اس وقت عقائد کی گمراہی کے اعتبار سے دنیا کی منفرد ترین قوم ہے تبدیلی کے قریب ہے اور اوم مت سے امت میں بدلنے والی ہے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے آخری شریعت کی علمبردار قوم کو حضرت نوح علیہ السلام کی قوم یعنی پہلی شریعت والی قوم کے ساتھ ہندوستان میں یکجا کیا جاتا ہے پہلے ویدک ازم پھر جین ازم اور بدھ ازم اور بعد میں مسلمان صوفیاء نے حضرت نوح کے دور سے اب تک اس ملک کو روحانیت کے مرکز کی حیثیت سے برقرار رکھا ہے۔ ہزاروں سال پرانی ڈھول کی پرتیں ہٹانے کی ضرورت ہے۔ اندر سے جو صاف شفاف ٹرانی نکلے گی اس پر اپنی پالش چڑھانے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی۔ ڈھول کی تہوں کی موجودگی میں پالش ہونا ممکن نہیں ہے۔ (جاری ہے)



بانی سلسلہ کی تصانیف

"حقیقت وحدت الوجود" یہ کتاب وحدت الوجود کے موضوع پر ایک مختصر مگر نہایت مدلل اور ا
دستاویز ہے خواجہ عبدالحکیم انصاریؒ نے دوران سلوک جو دیکھا اس حقیقت کو عام فہم دلائل کی روشنی
نہایت ہی آسان زبان میں بیان کر دیا ہے تاکہ متلاشیان حق غلط راہوں میں پڑ کر گمراہ نہ ہو جائیں اس میں
موضوعات زیر باعث آئے ہیں ان میں سے خاص خاص یہ ہیں

- ☆ انسان کی بقا اور ترقی کے لئے مذہب کیوں ناگزیر ہے
- ☆ روحانی عوالم اور روح کے سفر کا حال عالم ھو کی خصوصی تشریح
- ☆ سلوک کے دوران کون سے مقام پر وحدت الوجود کی کیفیت محسوس و مدرک ہوتی ہے
- ☆ وہ بنیادی سوال جس نے نظریہ وحدت الوجود کو جنم دیا۔
- ☆ اس اہم سوال کا جواب ہندو مفکرین، مادہ پرست دانشوروں اور فلاسفروں نے کیا دیا ہے
- ☆ حضرت ابن عربیؒ کے نظریہ وحدت الوجود اور حضرت مجدد الف ثانیؒ کے وحدت شہود میں فر
- ☆ روحانی سلوک کے دوران تمام بزرگان عظام کو ہو جانے والی غلط فہمیاں
- ☆ حضرت حسین ابن منصور حلاجؒ کے دعوی انا الحق کی توجیہ
- ☆ وحدت الوجود کی قائل جماعت کے نظریات اور قرآنی احکامات کیا ہیں

ان تمام امور پر محققانہ بحث و تنقید کے بعد حقیقت طشت از بام کر دی گئی ہے اس موضوع سے دلچ
رکھنے والوں اور الجھنوں میں گرفتار طالبان حقیقت کے لئے یہ کتاب ایک نعمت سے کم نہیں۔